اوراقِ گل مرتبہ جناب خمیر احمد صاحب ہاشمی ڈپٹی ریو نیو منسٹر ریاست رامپور تقطیع بڑی ضخامت ۳۵۲ صفحے،
کاغذ نفیس کتابت وطباعت دیدہ زیب قیمت مرقوم نہین، غالباً کتب خانہ یا بزم سخن رامپور سے ملے گی،

اردو شاعری اور اساتذہ سخن کی قدردانی اور سرپرستی ریاست رامپور کی دیرینہ روایت ہے، دلی اور لکھنؤ کی محفل اجڑنے کے بعد یہان کے گم کردہ آشیان نوا سنجون کو ریاست رامپور ہی کے سایۂ عاطفت مین پناہ ملی تھی، اور رامپور اردو شاعری کا تیسرا مرکز بن گیا تھا، اب بھی وہان شعر وسخن کا مذاق موجود اور بزم سخن کے نام سے ایک مجلس قائم ہے، جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مشہور اور نامور شعراء کو مدعو کرتی رہتی ہے، اس لطف مین دوسرون کو شریک کرنے کے لئے مجلس مذکور کی جانب سے اس کے مدعو کردہ انتیس مشہور شعراء کا یہ دلچسپ تذکرہ شائع ہوا ہے، اس مین ان شعراء کے مختصر حالات، فوٹو، قلمی عکسی تحریرین، کلام کا انتخاب اور اردو زبان وشاعری کی اصلاح وترقی کے متعلق چند استفسارات کے جوابات ہین، اس جدت نے اس تذکرہ کو نہایت دلچسپ بنا دیا ہے، ظاہری نفاست بھی دلفریب ہے، کاغذ کے اس قحط کے زمانہ مین یہ اہتمام ایک ریاست ہی کر سکتی تھی، یہ تذکرہ ظاہری اور باطنی دونون خوبیون کے لحاظ سے اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

شمس بازغہ از جناب محمودہ رضویہ مدیرہ رسالہ شعاع، تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت اوسط، قیمت مجلد عہ، پتہ:- مجلہ شعاع اردو وانجمن ترقی اردو کراچی،

اردو مین سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا وافر اور مستند ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے، کہ اس کی مدد سے بآسانی سیرت نبوی پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے جا سکتے ہین، مذکورۂ بالا کتاب بھی اسی قسم کا رسالہ ہے، واقعات صحیح اور اسلوب تحریر مناسب ہے، البتہ کہین کہین مبالغہ کا رنگ آگیا ہے، اور ایک دو مقامون پر واقعات کی ترتیب مین فرق ہو، غالباً اصل مقصود کو پیش نظر رکھا گیا ہے، اور ترتیب کا لحاظ عمداً نہین کیا گیا ہے، یہ کتاب اس حیثیت سے لائق قدر ہے، کہ ایک خاتون کی تصنیف ہے، لیکن سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر شمس بازغہ کی تمثیل ایک عورت کی شکل مین بہت نامناسب ہے، اس تصویر کے نیچے مصنفہ کا نام اور اشتباہ پیدا کرتا ہے، کہ وہ شمس بازغہ کی تمثیل ہے، یا مصنفہ کی قلمی تصویر، کتاب کے آخر مین یزید اور زینب کا واقعہ بالکل بے جوڑ ہے، اس کو سیرت نبوی سے کیا تعلق، پھر اس قسم کے واقعات کے قبول کرنے مین بڑی احتیاط کی ضرورت ہے،

ہندوستان کی معاشی ترقی کا لائحۂ عمل مترجمہ جناب سعید احمد صاحب بینائی بی اے، تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ر پتہ مکتبہ امداد باہمی طلبائے جامعہ عثمانیہ، نیو انڈیا بک ہاؤس عابد روڈ حیدرآباد دکن،

کسی ملک کی معاشی ترقی کے مفہوم مین وہ ساری ضروریات ولوازم داخل ہین، جو موجودہ زمانہ مین کسی ملک کی ترقی وآسودہ حالی کے لئے ضروری ہین، اس لحاظ سے ہندوستان کی معاشی حالت بہت پست ہے، یہان کے آٹھ معاشی اور کاروباری ماہرین نے ہندوستان کی آیندہ ابتدائی معاشی ترقی کی ضروریات اور اس کے مصارف کا ایک اجمالی خاکہ انگریزی زبان مین مرتب کیا تھا، لائق مترجم نے اردو مین اس کا ترجمہ کر دیا ہے، انگریزی مین تو اس قسم کی بہت سی کتابین ہین، لیکن اردو دان طبقہ کے معلومات کے لئے غالباً متفرق مضامین کے علاوہ کوئی مستقل کتاب نہ مل سکے گی اور اس زمانہ مین اس قسم کے مسائل عام ہین، اس لئے اس کتاب کا ترجمہ مفید ہے

"م"

جلد ۵۵ ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۵ء عدد ۶

مضامین

شذرات

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ معارف اپنی پہلی ضخامت کی طرف آہستہ آہستہ لوٹ رہا ہے، پچھلے مہینہ سے ۳۲ صفحون پر شائع ہو رہا ہے انشاء اللہ آیندہ ماہ سے ۴۸ پر ہوگا اور امید ہے کہ چند ماہ کے بعد اس کی اصلی ضخامت پھر اپنی جگہ پر آجائے گی، صفحون کی کمی کے سبب سے مضامین کے تنوع اور رسالہ کی دلچسپی مین جو کمی آگئی تھی، ہم کو خود اس کا افسوس تھا، پھر بھی قدردانون کی طرف سے اس کی مانگ برابر بڑھتی ہی رہی، اور کاغذ کے استعمال کی کمی کے حکم سے ہم اون کی تعمیل بروقت نہ کر سکے، امید ہے کہ یہ مشکل بھی دور ہو جائے گی،

چھ برس سے دنیا مین لڑائی کی جو تباہی چھائی تھی، اس مہینہ جرمنی کی شکست سے یورپ کے ملکون مین اس کا خاتمہ ہو گیا، تاریخ کے لحاظ سے یہ اپنی قسم کا کوئی نیا واقعہ نہین، ہمیشہ ہی سے یہ دستور الٰہی رہا ہے کہ جو اپنی تلوار کے زور سے دوسرون کو گراتے ہین، وہ آخر دوسرون کی تلوار کے زور سے ایک دن خود گرائے جاتے ہین،

لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ لڑائی جس مقصد سے لڑی گئی، اس مین دنیا کو کہان تک کامیابی ہوئی، یا ہوگی، چھوٹی قومون کی حفاظت، کمزور ملکون کی حمایت اور جمہوریت کا بول بالا اس جنگ کا ترانہ تھا، اب ہم کو دیکھنا ہے اور تاریخ کو اپنے اوراق مین قلمبند کرنا ہے کہ اس زمانہ کے مہذب فاتح اور متمدن کشور کشا کہان تک میدان جنگ کے وعدون کو صلح کی میزون پر یاد رکھتے ہین، اور فتح وشکست کے نتیجون مین قوت اور ضعف کی پرانی بار بار کی دہرائی ہوئی دلیلون کے علاوہ اس موجودہ ترقی وتہذیب کا عہد بھی کچھ تبدیلی پیدا کرتا ہے یا نہین،

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک مین دنیا کی بڑی بڑی جبار وقہار قومون کی تباہی کا نقشہ پیش فرمایا ہے، اور بتایا ہے کہ قوت کا زور، طاقت کا گھمنڈ، دولت کا غرور اور ساز وسامان کی فراوانی نے ہمیشہ قومون کو حدود الٰہی سے قدم باہر نکالنے پر آمادہ کیا ہے، فرعون نمرود اور عاد وثمود اور تبابعہ یمن اور شاہان سبا کے واقعات کو قرآن پاک مین بڑی تفصیل سے بتایا گیا ہے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ واقعات اور ان کے یہ نتیجے یہ قوت اور ان کے یہ پھل صرف پچھلی ہی قومون کے حق مین تھے، نہین دنیا کا کوئی دور تاریخ کا کوئی ورق، اور زمانہ کا کوئی عہد ان واقعات اور ان کے

لادینی نتیجون سے کبھی خالی نہین رہا ہو، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تاریخ کا یہ کس قدر عبرتناک انجام ہے کہ وہ ہٹلر، وہ مسولینی، وہ ہملر، وہ گوئرنگ، وہ گوبلز جن کے لفظ لفظ کو دنیا تقدیرِ مبرم سمجھتی تھی، جن کے ہر محال دعویٰ کو صرف ان کے کہدینے ہی سے ممکن یقین کر لیتی تھی، جن کے رعب و دبدبہ سے زمین کا ہر قطعہ خوف و دہشت سے لرزہ براندام تھا اور جن کے ایک ایک قدم سے ہر وقت دنیا زیر و زبر ہو رہی تھی، آخر وہ گھڑی آئی کہ بیکسی اور مایوسی نے ان کی ہر امید کا خاتمہ کر دیا، ان مین سے کسی نے اپنے ہاتھ سے آپ اپنا گلا کاٹ لیا، کسی نے زہر کا پیالہ پی لیا، کوئی اپنے دوستون کی تلوارون سے آپ مارا گیا، اور برلن جو کبھی بابل کا مینار تھا، آج خاک کے تودون کے سوا کچھ نہین،

یہ تو وہ نقشہ ہے جو لڑائی کے میدانون مین نظر آیا، اب دیکھنا یہ ہے کہ سان فرانسسکو کے دلکش ایوانون، اور ہرے ہرے مکون کی نشست گاہون مین کیا نظر آتا ہے، گو کہ مستقبل کے چہرے پر بھاری پردہ پڑا ہے، پھر بھی دور بین نگاہون کو شام کے سبزہ زارون، ٹریسٹ کے کنارون، پولینڈ کی وادیون، افریقہ کے ریگستانون، چین اور برما کے بندرگاہون، اور جزائر ہند کے ٹاپوؤن میں ابھی سے آنے والی شکلون کی پرچھائیان نظر آتی ہین،

حقیقت یہ ہے کہ جب تک اشخاص کی طرح قومین بھی حرص طمع اور لالچ اور نہ ختم ہونے والی زمین کی بھوک سے آزاد نہ ہون گی، ایک سان فرانسسکو کیا، سو سان فرانسسکو بھی دنیا مین امن اور چین پیدا نہین کر سکتے، جنرل اور سپہ سالار اپنی جیت اور ہار کی بازی ختم کر چکے، اب سیاست کے ماہرون اور ڈپلومیسی کے شاطرون کی بساطین بچھی ہین، اور تلوار کی بخشی ہوئی قوت کو قلم کی نوک سے کام مین لا رہے ہین،

یاد ہوگا کہ جرمن خطرہ کے عہد مین شام اور لبنان کے لوگون کو فرانس کی منظوری سے اتحادیون کی طرف سے خود مختاری کی سند عطا ہوئی تھی، ابھی زخمون سے چور فرانس بستر سے اٹھا بھی نہین، پھر بھی بستر سے اٹھنے کے ارادہ کے ثبوت مین سب سے پہلا قدم شام و لبنان سے ان کی اس مجبورانہ عطا کی ہوئی خود مختاری کی سند کو چھیننے ہی کی طرف بڑھ رہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کی قومون کی اخلاقی بیماری اتنی پرانی ہو چکی ہے، کہ موت کے سوا ان کا کوئی دوسرا علاج نہین،

جو لوگ یہ سمجھتے ہین کہ اقلیت والی قومین اکثریت کے مقابلہ مین کچھ نہین کر سکتین، وہ دیکھین کہ دنیا کی سب سے چھوٹی، سب سے پراگندہ اور آوارہ قوم یہود آج اپنی دولت کی قوت اور تنظیم کی مضبوطی سے دنیا کے سب سے زیادہ آزادی پسند ملک (امریکہ) کے پریسیڈنٹ، اور انگلستان کی سب سے زیادہ آزادی دوست پارٹی (لیبر پارٹی) کے نمایندہ کی زبانون سے اپنے دلی مقصد کا اظہار کر رہی ہے، اور ان کی مدد سے یہود فلسطین مین اپنے جبروت کا تخت بچھانا چاہتے ہین، اور اس طرح قرآن پاک کی پیشینگوئی اَلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ الخ پوری ہو رہی ہے،

آج عیسائی اور یہودی قومون نے مسلمانون کے خلاف جو باہم اتحاد کیا ہے، وہ بھی قرآن پاک ہی کی تصدیق ہے، بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ مسلمانون مین جو لوگ ان کی ہر چیز مین نقالی کر کے قوت و عظمت حاصل کرنا چاہتے ہین، ان کو قرآن پاک کی ایک اور پیشینگوئی یاد دلاتا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى	تم سے یہود اور نصاریٰ اوس وقت تک راضی نہین
تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (بقرہ - ۱۴)	ہو سکتے، جب تک تم اپنا دین چھوڑ کر ان کی ملت اختیار نہ کرو،

مسلمان زبان سے اس تبدیلی کا انکار کرین گے، لیکن ان کا ظاہر و باطن کیا ان کی زبان حال کا اعتراف نہین

مقالات

زمانۂ حاضر کا انسان

اور

اقبال

از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبہ فلسفہ، جامعہ عثمانیہ

عشق ناپید و خرد می گزدش صورتِ مار	عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستارون کی گذرگاہون کا	اپنے افکار کی دنیا مین سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا	آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعون کو گرفتار کیا	زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

زمانۂ حاضر کا انسان!؟ ایجاد و اختراع، فن و حکمت، سائنس اور ہنر کے لحاظ سے کمال کے انتہائی مدارج پر گامزن ہے، اس کی نکتہ رس اور باریک بین عقل نے ناممکنات کو ممکن بنا دیا، جو چیزین گمان و قیاس و وہم کے ماوراء تھین، اب وہ روزمرہ کے حقائق مین شامل ہین، عقل جن کے ادراک و فہم سے عاجز تھی، اب وہ بلا تکلف استعمال مین آ رہی ہین، اب ہم اپنے مقام پر بیٹھے سات سمندر پار کے بسنے والون سے گفتگو کرتے ہین، اپنے گھرون مین ٹلی وژن سٹ نصب کرتے ہین، تصویرین بولتی ہین اور ہمین اپنے دلربا نغمون سے مست کرتی ہین لاشعاعین (X-rays) ہمارے لئے ان دریچون کا کام دیتی ہین جن کے پٹ کھول کر ہم اپنے معدے اور انتون کو دیکھ سکتے ہین، ہماری سڑکیں ربر سے بنائی جا رہی ہین، ہماری کھیتی برقی قوت کے ذریعہ پکتی ہے، ہمارے بالون مین پیچ و خم برقی لہرین پیدا کرتی ہین، طی الارض کی کرامت کا ہم سے ظہور ہوتا ہے، فاصلے ہمارے لئے وجود نہین رکھتے، ہمارے طیارون نے زمین کو گھیر لیا ہے، بہرحال ہم نے مشین ایجاد کی، اور مشین نے ہماری زندگی مین عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا، اسی تغیر کی ماہیت اور اس کے دوررس نتائج پر ہمین یہان اقبال کے ساتھ ایک نظر ڈالنی ہے، اور بتلانا ہے کہ زندگی پر مشین کے تسلط کی وجہ سے جو تہذیب پیدا ہوئی ہے، وہ فسادِ قلب اور فسادِ نظر مین مبتلا ہے، اس کی روح مین عفت، اس کے ضمیر مین پاکی، اس کے خیال مین، روحانی علو و بلندی اور اس کے ذوق مین لطافت و پاکیزگی مفقود ہے!

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب	کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح مین پاکیزگی تو ہے ناپید	ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

اقبال کی نظر مین عہدِ حاضر کا انسان قلب اور نظر کے امراضِ فاسدہ مین مبتلا ہے اور یہ امراض یون تو بے شمار ہین لیکن ان مین کے زیادہ مہلک یہ ہین:

لادینی اور تشکیک، جبر یا اپنے اختیار و آزادی کے فقدان کا احساس، لذت پرستی، اور ذواقیت یا ع

"خوش باش دمے کہ زندگانی این است" کا فلسفہ،

آئیے کچھ دیر کے لئے اقبال کے ساتھ ان روحانی امراض پر ایک نظر ڈالیں:

(۱) تشکیک ولادینی: تہذیب حاضر کے زیر اثر جو نسل پیدا ہوئی ہے، وہ عملاً دین و ایمان سے خالی و عاری ہے اس کی نظر میں مذہب ایک جنون خام ہے، اور "ہستی غائب" کے تلاش کرنے والے احمق اور نادان ہیں، علوم جدیدہ کی بنا محسوس پر ہے موجود ان کی رو سے وہی ہے جو محسوس ہے، حقیقت کا علم ہمیں ادراک، مشاہدہ اور ارتسام کے ذریعہ ہوتا ہے، اور ہمارے تمام تصورات ان ہی ارتسامات کی نقول ہیں، ارتسام تصور کی اصل ہے، تصورات کے پہلے ارتسامات کا ہونا ضروری ہے، لہذا کسی چیز کا جاننا اس کا حواس کے ذریعہ ادراک حاصل کرنا ہے، تو جاننے کے معنی حصول ارتسامات" کے ہوئے یعنی احساس کرنے کے، ہمارے لئے وہی چیز حقیقی ہوگی، جس کو ہم محسوس کریں گے، اور مذہب کا معروض "ہستی غائب" ہے، جس کا کوئی ادراک یا احساس ممکن نہیں، لہذا اس کا کوئی علم قابل حصول نہیں، لہذا اس کی تلاش ایک سیاہ بلی کی تلاش ہے، جو ایک تاریک کمرہ میں کی جا رہی ہے، جو اس کمرہ میں موجود نہیں، یہ ہے استدلال دور حاضر کے نوجوانوں کا جو اپنا مسلک "مذہب کے خلاف انتہائی تجربیت یا احساسیت (Sensationalism) کو قرار دیتے ہیں، اقبال نے ان کے ان خیالات کو اس طرح ادا کیا ہے، اور آخر میں بیدل کے الفاظ میں ان کا فلسفیانہ جواب بھی دیدیا ہے، جس کی توضیح ہم بعد میں چل کر کریں گے،

تعلیم پیر فلسفہ، مغربی ہے یہ — نادان ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش!

پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا — ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش!

محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی — اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش!

مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام — ہے جس سے آدمی کے تخیل کو ارتعاش!

کہتا مگر ہے فلسفہ، زندگی کچھ اور — مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش!

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است،

ہر چند عقل کل شدۂ بے جنون مباش!

مذہب سے بیزاری کا نتیجہ یہ ہے، کہ عصر حاضر کے نوجوانوں کے لئے نہ زندگی کی کوئی غایت ہے، اور نہ تخلیق کائنات کی کوئی غرض یا مقصد، بلکہ وہ اس سوال ہی کے اٹھانے کو حماقت تصور کرتے ہیں، کہ کیا زندگی کی کوئی غایت ہوسکتی ہے اور عالم کا کوئی مقصد؟ بیس طلبہ کی ایک جماعت (جو عمر کے لحاظ سے بیس پچیس سال کے درمیان تھے) سے پوچھا گیا، کہ مذہب کے متعلق تمھارا کیا عقیدہ ہے، تو صرف تین نے اس کی جانب اپنا میلان ظاہر کیا، آٹھ نے کہا کہ انھوں نے اس مسئلہ کی ایجابی یا سلبی جانب پر کوئی غور ہی نہیں کیا، اور باقی نو تو کھلے لامذہب تھے، کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ جو تناسب دیندار اور بے دین طلبہ کا ان جوابات سے ظاہر ہوتا ہے، وہ کس طرح غیر معمولی یا استثنائی سمجھا جائے، مسلمانوں کی نئی پود میں لادینی اور الحاد کے اس میلان کو اقبال نے ایک اثر انگیز نظم میں جس کا عنوان "فردوس میں ایک مکالمہ" ہے یوں ظاہر کیا ہے،

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز — حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز

اے آنکہ ز نور گہر نظم فلک تاب — دامن بچراغ مہ و اختر زدۂ باز!

کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیان کر — واماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ و تاز؟

مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں — تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمی آواز؟

باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر — رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز!

جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا — آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل — دنیا تو ملی طائر دین کر گیا پرواز

دین ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی — فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر زمیں تاز

مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی — دین زخمہ ہے جمعیت ملت ہے اگر ساز

بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی — ظاہر ہے کہ انجام گلستان کا ہے آغاز

پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو — پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا — سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز

"خرما نتوان یافت ازان خار کہ کشتیم

دیبا نتوان بافت ازان پشم کہ رشتیم" (سعدی)

طائر دین کے پرواز کر جانے، اور الحاد کے انداز پیدا ہوتے ہی کردار میں تغیر کا رونما ہونا ضروری تھا، اوامر ونواہی کی پابندی اور رضائے الٰہی کا خیال، سزا کا خوف اور جزا کی امید، یہ سب محرکات ہمارے نوجوانوں کے ہاں نہ قابل التفات ہیں، اور نہ لائق توجہ، جدید نفسیات (تحلیلی نفسیات Psycho-analysis) نے انھیں تعلیم دی کہ ذہن انسانی کا بیشتر حصہ غیر شعوری ہے، انسانی شخصیت کی مثال برف کے اس انبار کی سی ہے، جو سمندروں میں بہتا رہتا ہے، اس کا تھوڑا ہی سا حصہ سطح شعور کے اوپر نظر آتا ہے، باقی سب نیچے پوشیدہ ہوتا ہے، یہ حصہ جس کو غیر شعوری نفس کہا جاتا ہے، نہ صرف نسبتہً بہت زیادہ بڑا ہوتا ہے، بلکہ اہمیت کے لحاظ سے بھی نفس شعوری سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہے، شعور میں جو کچھ نمایاں ہوتا ہے، وہ اس غیر شعوری نفس ہی میں پیدا ہوا ہے، اور اس راہ سے آیا ہے، یا یوں کہو کہ اس کا تعین غیر شعوری نفس ہی سے ہوتا ہے، لہذا انسان کے ذہن کا شعوری حصہ کوئی زیادہ اہمیت کی چیز نہیں، اس لئے کہ اس کا سارا مواد اور اس کے سارے اعمال و وظائف ان قوتوں کے اظہار ہیں، جو ہمارے باطن میں مستور اور پوشیدہ ہیں، جن کا نہ ہمیں عام طور پر علم ہوتا ہے، اور نہ یہ ہمارے تصرف و اختیار میں ہوتے ہیں،

ان ذہنی حالات سے واقف ہونے کے بعد یہ بات فوراً سمجھ میں آجاتی ہے، کہ ہماری ساری خواہشات اور آرزوؤں کا مبدأ غیر شعوری نفس ہے، اب غیر شعوری نفس میں کیا ہو رہا ہے، ہم نہیں جانتے، جب نہیں جانتے، تو ظاہر ہے کہ ان پر ہمارا تصرف یا اختیار بھی نہیں ہوسکتا، لہذا جب کسی غیر شعوری خواہش کا ظہور شعور میں ہوتا ہے، تو وہ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی، ہمارا اس پر کوئی اقتدار نہیں ہوتا، ہم اپنی سیرت کے آپ معمار نہیں، ہماری سیرت نتیجہ ہے ان تاثرات تحریصات، ترغیبات اور قوتوں کے باہمی عمل یا تعامل کا جو غیر شعوری دائرہ میں جاری ہیں، اور جن کا ہمیں کوئی علم نہیں، اگر ہم سے اب یہ کہا جائے کہ ہمیں ضبط نفس سے کام لینا چاہئے، بری خواہشات پر قابو رکھنا چاہئے، ان کی نفی کرنی چاہئے تو یہ ہمارے بس کی بات نہیں!

اگر ہم ان کے ضبط پر قادر بھی ہوں تو جدید نفسیات کی تعلیم ہے، کہ ان کی نفی یا ان کا دبا دینا ہماری ذہنی

صحت کے لئے سخت مضر ہوتا ہے، آسکر وائیلڈ نے کہا تھا کہ کسی خواہش نفسی سے نجات پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کی تکمیل کرلی جائے، جدید نفسیات اس قول کی تصدیق کررہی ہے ہماری توانائی و قوت کے مبدأ اصلی کو جو "بی ڈو" (Libido) کہلاتا ہے، فرائیڈ اس چشمۂ آب سے تشبیہ دیتا ہے، جو زمین کے نیچے بہ رہا ہے، اور کسی مخرج کی تلاش میں ہے، اگر تم اس چشمہ کو پشتہ لگاکر روک دو، اور اس کے پانی کو بہ کر نکل جانے نہ دو، تو پھر یہ بند ہو کر کیچڑ پیدا کرتا ہے، جو فوراً ہمارے شعور کو آلودہ کرتا ہے اور ہماری ذات کو مضر اخلاط اور متعفن بخارات سے مسموم کردیتا ہے، یہ کیچڑ گویا مولفات (Complexes) سے تعبیر اور بخارات عہد حاضر کی زندگی کے وہ بے شمار عصبی امراض (neurosis) اور سقیم خوف (phobias) ہیں جن کا نفسی تحلیل علاج کرنا چاہتی ہے، اور علاج کا طریقہ بھی یہی ہے، کہ ان دبی خواہشات کو ظاہر ہونے دیا جائے اور مریض کو ان کی موجودگی کا علم ہوجائے، جس کے تحت شعور دائرہ میں یہ مقفل پڑی تھیں، اور سڑکر روگ پیدا کررہی تھیں،!

دین و مذہب کی روح تو یہ ہے کہ اوامر الٰہی کے امتثال اور نواہی سے اجتناب کی کوشش کی جائے، اور جدید نفسیات کی تعلیم یہ کہ خواہشات کو بے لگام رکھنا ہی صحت ذات کے لئے ضروری ہے،! جہان نفس کو اشتعال ہوا یا ہوس رانی سے زبردستی روکا گیا، کہ انسان کی شخصیت سیکڑوں عصبی امراض اور سقیم خوف و ترس میں مبتلا ہوجاتی ہے، اظہار ذات (Self expression) نہ کہ انکار ذات (Self denial) جدید نفسیات کا مشورہ ہے یعنی نفس کو خواہشات یا باصطلاح مذہب ہوی سے روکا نہ جائے، ان کی تکمیل کی جائے، اور اسی ہوس رانی کا نام اظہار ذات ہے! ڈی، ایچ، لارنس (D. H. Lawrence) وغیرہ کے ناولون نے ان خیالات و اصول کو اتنا عام اور قابل فہم بنادیا کہ تحلیلی نفسیات کے دقیق اصطلاحات اور مشکل مباحث عوام کی راہ مین کوئی روک نہین رہے،!

ان تعلیمات و خیالات نے مذہب و اخلاق کی بیخ کنی کردی، نوجوانون کے قلوب مسخ ہوگئے، ان کے دماغ روشن لیکن دل تیرہ "نگہ بے باک" ہوگئی، ان کی عقل اور ان کا دل "طواف آب و گل" مین گرفتار ہوگیا، ان کے تن تو فربہ لیکن جانین لاغر ہوگئین! جاوید نامہ مین ان ہی کی حالت کو ان دردناک الفاظ مین پیش کیا گیا ہے،

گر خدا سازد ترا صاحب نظر	روزگارے را کہ می آید نگر
عقلہا بے باک و دلہا بے گداز	چشمہا بے شرم و غرق اندر مجاز
علم و فن دین و سیاست عقل و دل	زوج زوج اندر طواف آب و گل

کچھ آگے چل کر زیادہ وضاحت کی گئی ہے،

نوجوانان تشنہ لب خالی ایاغ	شستہ رو تاریک جان روشن دماغ!
کم نگاہ و بے یقین و ناامید	چشم شان اندر جہان چیزے ندید!
ناکسان منکر ز خود مومن بغیر	خشت بند از خاک شان معمار دیر!

یعنی دین و مذہب کو ہاتھ سے کھو کر عقل و استدلال کو اختیار کرکے نوجوانون نے کیا پایا،؟ مادی عقل نے ان کے قلوب مین کیا انقلاب پیدا کردیا ؟ ان کے نقطۂ نظر کو کس طرح بدل دیا ؟ اور نقطۂ نظر کے بدل جانے سے جہان اور جہان کے چارسوان کے لئے کیسے بدل گئے ؟ اقبال کو جو نظر آیا وہ یہ تھا،

جان لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب	دل نزع کی حالت مین خرد پختہ و چالاک!

قلب سے عشق و ایمان رخصت ہوا، اور تاریکی چھائی، دل تیرہ اور نگہ بے باک ہوگئی، روح اخلاقی اقدار سے محروم ہو کر لاغر ہونے لگی، اس کے عوض تن مین فربہی پیدا ہونے لگی، زاغ کی عمر بھی تو غلیظ کھا کر دراز ہوتی ہے اور وہ ہوتا بھی سرگین خوری کے لئے ہے،

عمر زاغ از بہر سرگین خوردن ست، (رومی)

شاید اسی سرگین خوری نے انھین شستہ رو روشن دماغ کردیا، لیکن نگاہ کی وسعت اور یقین کا ذوق، ایمان کا گداز، روح کی پاکیزگی، اور عفت ان سے رخصت ہوگئی!!

اے مسلمانان فغان از فتنہ ہاے علم و فن	اہرمن اندر جہان ارزان و یزدان دیریاب

(۲) جبریت:۔ علوم جدیدہ (خصوصاً نفسیات تحلیلی) نے ہمارے نوجوانون کو تعلیم دی کہ ہم اپنی سیرت کے آپ معمار نہین، کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا تمام شعوری واردات و واقعات کا مبدا غیر شعوری نفس ہے، ہماری شعوری خواہشات اور افکار عکس ہین ہمارے غیر شعوری عناصر کا جن مین کم و بیش حذف و اضافہ کرلیا جاتا ہے، ہم نہین جانتے، ہمارے غیر شعوری نفس کے دائرہ مین کیا ہورہا ہے، اور جب نہین جانتے تو ظاہر ہے کہ ان پر ہمارا کوئی تصرف بھی نہین ہوسکتا، اور جب ان پر ہمارا تصرف نہین تو ان کے ہم ذمہ دار بھی نہین، لہذا ان غیر شعوری خواہشات مین سے کسی کا ظہور شعور مین ہوتا ہے، تو وہ ہمارے اختیار مین نہین ہوتی، اور ہم اس کے ذمہ دار نہین قرار دئے جاسکتے، بالفاظ دیگر ہم اپنے شعوری افکار و خواہشات کے ذمہ دار نہین، اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو کچھ ہم سوچتے ہین، اور کرتے ہین، ان کے ہم ذمہ دار نہین قرار دیے جاسکتے، مختصر یہ کہ اگر شعور کو غیر شعوری اعمال کا نتیجہ قرار دیا جائے، تو صاف ظاہر ہے کہ اس کا تعین ان ہی اعمال سے ہوگا، جو اس کو پیدا کرتے ہین شعوری واقعات و حالات اس پوشیدہ و مستور نفسیاتی مشینری کے عمل کا محض دھوان اور شعلہ ہین جس کا ہمین شعور نہین، علم نہین،

پرستاران مذہب و اخلاق کا یہ کہنا صحیح نہین، کہ ہمارا ارادہ آزاد ہے، اور وہ ہمارے افکار و خواہشات پر حکمرانی کرتا ہے، انھین اپنے اقتدار مین رکھتا ہے، جو خواہشات کہ ہماری روح کے مفاد کے خلاف ہوتی ہین، انھین وہ ترک کردیتا ہے، اور جو اس کی فلاح کے معاون ہوتی ہین، انہین کو اختیار کرتا ہے،! صحیح یہ ہے کہ صرف جبلتین ہی انسانی اعمال کی حقیقی محرکات ہین، انہی جبلتون کی تشفی کے لئے ہم عمل کرتے ہین، جب تک کسی جبلت کی تشفی مقصود نہ ہو، نہ ہم سے عمل سرزد ہوسکتا ہے، اور نہ ہم غور و فکر ہی کرسکتے ہین، جبلی میلانات، اور ان کی زبردست مشینری نہ ہو تو ہماری عضویت کسی عمل کے قابل ہی نہ رہے، اور وہ اس گھڑی کی طرح بیکار ہوجائے جس کی کمانی ٹوٹ گئی ہو،

اگر ارادہ کوئی جدا اور مستقل شے بھی مان لیا جائے تو بھی وہ اس وقت تک بے عمل اور بے کار ہوگا، جب تک کہ کوئی جبلت اس سے کام نہ لے، لہذا جب تک کہ ہم ارادہ کو کسی ناجائز خواہش کے دبانے کے لئے استعمال کرنے کی خواہش نہ کرین اس وقت تک ہم اس ناجائز خواہش کو نسیاً منسیاً نہین کرسکتے، اب ارادہ کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنے کی خواہش دوسری خواہشات کی طرح اساسی طور پر جبلی ہوتی ہے، جس کے وقوع اور جس کی قوت کے ہم کسی طرح ذمہ دار نہین قرار دیے جاسکتے ہم اپنے اقتضا اپنی فطرت اور جبلت سے مجبور ہین، اپنے اقتضا، اپنی فطرت یا اپنی جبلت پر ہمین کوئی اقتدار نہین، ع

اے شیخ پاک دامن معذور دار ما را!

مسلمانون کی نئی پود مین جبریت کا اثر عقیدہ "تقدیر" کی غلط فہمی کی وجہ سے زہر کی طرح سرایت کرگیا ہے، اور

ان کے عمل کی قوت کو مفلوج کر دیا ہے، نہ صوفی مین مجاہدانہ حرارت رہی، اور نہ سالک مین مستی کردار، شاعر کی نوا، مردہ و افسردہ وبے ذوق ہو کر رہ گئی، مرد مجاہد مفقود ہو گیا!

صوفی کی طریقت مین فقط مستیٔ احوال　　ملا کی شریعت مین فقط مستی گفتار

شاعر کی نوا مردہ و افسردہ وبے ذوق　　افکار مین سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہین مجھ کو　　ہو جس کے رگ و پے مین فقط مستی کردار

تقدیر کے عقیدے نے مسلمان کو عمل سے غافل کر دیا، "شراب الست" بے عملی کا خوب بہانہ بنی، قسمت ہی کا لکھا ایسا تھا کہ مسلمان کشمکش زندگی سے بھاگ کھڑا ہوا، اور جمود و خمود نے اس کے قوائے عمل پر اپنا تسلط قائم کر لیا!

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی مین　　بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست

فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور　　کہ معرکے ہین شریعت کے جنگ دست بدست

گریز کشمکش زندگی سے مردون کی　　اگر شکست نہین ہے تو اور کیا ہے شکست

جس قرآن کی تعلیم نے مسلمانون کو مہ و پرویں کا امیر بنا چھوڑا تھا، اب اسی قرآن سے ترک جہان کی تعلیم اخذ کی جا رہی ہے! غلامون کو تفسیر بھی خوب آتی ہے، جس دین مین مصلحت، جنگ و شکوہ تھی، اب اس کی مصلحت غار و کوہ سمجھی جا رہی ہے، جبر ہی کے عقیدے اور تعلیم نے مسلمان کو عمل سے محروم کر دیا، مجاہدہ سے وہ غافل ہو گیا، اور اس کا لازمی نتیجہ غلامی کی صورت مین نمایان ہوا، خودی مردہ ہو گئی" قفس حلال اور آشیانہ حرام ہو گیا"!

اسی قرآن مین ہے اب ترک جہان کی تعلیم　　جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر

تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز　　تھی نہان جن کے ارادون مین خدا کی تقدیر

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا　　کہ غلامی مین بدل جاتا ہے قومون کا ضمیر

غرض اقبال کی نظر مین مسلمان خود اپنے کو اور اپنے خدا کو فریب دے رہا ہے، جب وہ تقدیر کا بہانہ کر کے عمل سے بے پروا ہو رہا ہے،

خبر نہین کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی　　عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

(۳) لذت اندوزی: اگر ہم عمل و مجاہدہ سے اپنی زندگی کی تعمیر نہین کر سکتے، اگر ہم اپنے مستقبل کو سنوارنے مین اتنے ہی مجبور ہین، جتنے کہ اپنے ماضی کے بدلنے مین، تو پھر ہمین اپنی موجودہ زندگی سے جیسی بھی کہ وہ ہے، پوری طرح بہرہ اندوز ہونا چاہئے، اور جو کچھ مل جائے (بغیر اس کے بدلنے کی کوشش کے) لطف اندوز ہونا چاہئے،

ایام جوانی و شباب اولیٰ تر　　با خوش پسران جام شراب اولیٰ تر

این عالم فانی چو خراب است بیاب　　در جائے خراب ہم خراب اولیٰ تر　　(خیام)

زمانہ حاضر کے انسان نے یہ دیکھ کر کہ مستقبل نہ صرف نامعلوم ہے، بلکہ ہمارے حیطۂ قدرت سے بھی باہر ہے، عقلمندی اور ہوشیاری اس مین دیکھی کہ حال سے پوری طرح تمتع حاصل کیا جائے، اپنی عمر کے موجودہ وقت کو خوش دلی سے بسر کیا جائے اس لئے شراب ناب اور بوس و کنار (Wine & Kisses) کو اس نے حیات آئندہ کی موعود لذتون سے زیادہ غنیمت تصور کیا! عصر حاضر نے اس کو یہ تعلیم دی کہ مذہب کا یہ فرمان کہ انسان کو ہوائے نفسانی کی مخالفت کرنی چاہیے

اور خواہشات طبعی کو شرع کے تحت مین رکھنا چاہئے نہ صرف ناقابل عمل ہے، بلکہ شخصیت انسانی کے لئے قطعاً مضر بھی، فرائڈ نے ذرا تفصیل سے بتلایا کہ موجودہ زمانہ کی بے شمار ذہنی بیماریان عصبی امراض، ہسٹریا، اور زندگی سے بیزاری اور عدم طمانیت نتیجہ ہین جوانی مین فطری خواہشات کو دبانے اور روکنے کا! صحت و طمانیت کے لئے انکار ذات نہین اظہار ذات کی ضرورت ہے، انکار ذات ان لوگون کا فلسفہ ہے جو خود لذت اندوزی کے قابل تو رہے نہین، دوسرون کو بھی اس سے محروم کرنا چاہتے ہین! اپنے مصائب پر غم و حزن، واویلا اور سینہ کوبی خود رحمی ([illegible]) آئندہ زندگی کے موہوم و مخیل حادثات سے خوف اور ہول نقد وقت کو ہاتھ سے کھونا اور شخصیت کی عمارت کو جڑ سے اکھاڑنا ہے لہذا عصر حاضر کی روح کا نوجوانون سے خطاب یہ ہے:

تا کے زغم زمانہ محزون باشی　　با چشم پر آب و دل پر خون باشی

می نوش بعیش کوش و خوش دل باش　　زان پیش کزین دائرہ بیرون باشی　　(خیام)

اسی لئے عصر حاضر کا نوجوان اس عقیدہ کا پورا قائل نظر آتا ہے، کہ اوقات فرصت کو لذت اندوزی مین صرف کرنا چاہئے، وہ ان افعال و اعمال کو لذت بخش تصور کرتا ہے، جو روح کی باطنی خواہشون اور تمناؤن کی تکمیل کرتے ہین، اور یہ جنس خواہشات کے سوا کچھ نہین! رقص و سرود سے ان کی تکمیل ہوتی ہے، یہ اظہار ذات کے عمدہ ذرائع ہین، زندگی کی آخری غرض و غایت کا تو ہمین واضح علم نہین لیکن اتنا تو صاف ہے کہ ع

حالے خوش باش و عمر برباد مکن!

اس طرح لذت اندوزی و اظہار ذات زندگی کی غایت قرار دی جاتی ہے، اور اصرار کیا جاتا ہے کہ ہمین اپنے نفس کو خوش رکھنا چاہئے اور یہ خوشی اور راحت خود نفس کی خاطر ہے، زندگی کے فرائض کو انجام دینے کی خاطر نہین، مختصر یہ کہ عصر حاضر کا نوجوان اقبال کے الفاظ مین بدن ہی مین غرق ہے، اور جان سے بے خبر!

ترسم این عصرے کہ تو زادی دران　　در بدن غرق است و کم داند ز جان

اور بدن ہی کی راحت و لذت کو غایت قصوی جانتا ہے!

نژاد نو کا روشن دماغ مسلمان زادہ اقبال کی نظر مین "سراپا تجلی افرنگ" ہے، وہان کی عمارت گردون کی محض ایک تعمیر ہے، "از خود بیگانہ اور مست فرنگ" ہے، لہذا اس نے بھی اپنی زندگی کا مقصود، طواف آب و گل کو قرار دے رکھا ہے، اور ان ہی کے شعار کو اپنا شعار بنا لیا ہے، ان ہی کے علوم کو سیکھا، اور ان کو اپنے قلب مین ذخیرہ کر رکھا ہے، ان کے اثرات اس کے چہرہ پر صاف ظاہر ہین، اب وہ پہچان تک نہین پڑتا، کہ وہ وہی خود ہے، یا کوئی اور! اس کی عقل ان ہی کے افکار و آدار کی قید مین گرفتار ہے، اور اس کے گلے کا سانس تک غیر کا ہے، اس کا نہین! اس کے دل کی آرزوئین بھی اس کی نہین غیرون کی ہین، اور اس کی گفتگو جو اس کی زبان سے جاری ہے، وہ بھی اجنبیون کی ہے اس کی کہان! اس کا ساغر اپنا نہین اس مین شراب بھی شراب فرنگ ہے، ان اشعار مین اس غیرت سوز حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

علم غیر آموختی اندوختی　　روے خویش از غازہ اش افروختی!

ارجمندی از شعارش می بری　　من ندانم تو توئی یا دیگری!

عقل تو زنجیری افکار غیر　　در گلوے تو نفس از تار غیر!

بر زبانت گفتگو ہا مستعار   در دل تو آرزو ہا مستعار

قمریانت را نوا ہا خواستہ   سرو ہایت را قبا ہا خواستہ

بادہ می گیری بجام از دیگران   جام ہم گیری بوام از دیگران

اقبال عصر حاضر کے اثرات میں اپنی قوم کے نوجوانوں کو اس طرح ملوث دیکھ کر خون کے آنسو بہاتا ہے، درد و اضطراب کی حالت میں ان کے مہلک امراض یعنی ان کے ظلمت آباد بے چراغ ضمیر کو، ان کی غلامی اور حریت دشمنی کو، ان کی لادینی اور الحاد کو، ان کی فرنگ مستی، اور اپنی عینیت و حقیقت سے بیگانگی کو، ان کی بزدلی اور موت سے خوف زدہ ہونے کو، ان کی لذت پرستی اور عیش کوشی کو یورپ کے باطل علوم کو اپنے سینوں میں جگہ دے کر ان کے بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے کو، اس طرح اپنے دل و دماغ کو سومنات بنا لینے کو اپنے آقا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کس درد کے ساتھ پیش کرتا اور دعا کا طالب ہوتا ہے،

این مسلمان زادۂ روشن دماغ   ظلمت آباد، ضمیرش بے چراغ

این غلام ابن غلام ابن غلام   حریت اندیشۂ او را حرام

مکتب از وے جذبۂ دین در ربود   از وجودش این قدر دانم کہ بود

این ز خود بیگانہ این مست فرنگ   نان جو می خواہد از دست فرنگ

مومن و از رمز مرگ آگاہ نیست   در دلش لاغالب الا اللہ نیست

از فرنگی می خرد لات و منات   مومن و اندیشۂ او سومنات

قم باذنی گوے او را زندہ کن،

در دلش اللہ ہو را زندہ کن!

نژاد نو کو خطاب کر کے جاوید نامہ میں اقبال نے جو نصیحت کی ہے، اس کا حاصل بس اتنا ہے، کہ دانش برہانی میں حیرت کی فراوانی ہے، سادہ دلوں کے یقین کو فلسفیوں کے نکتہ ہائے دقیق پر ترجیح دے کر بے دلیل و برہان از روے جان یعنی قلب کی گہرائیوں سے اپنے خالق کی الوہیت اور محمد عربی کی رسالت کا اقرار کرلے،

لا الہ گوئی بگو از روے جان   تا ز اندام تو آید بوے جان

الوہیت حق کے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ ہی کو اپنا معبود و رب جان لے یعنی سر نیاز ان ہی کے آگے خم کرے، اور دست سوال ان ہی کے آگے پھیلائے، ساری کائنات میں حق کے سوا نہ کسی کو نافع سمجھے، اور نہ نقصان پہنچانے والا، اپنی بندگی اور عبودیت کا رشتہ حق سے جوڑ کر سارے عالم سے غنی ہو جائے، اور بے نیاز! یہی معنی ہیں اس شعر کے،

ماسوی اللہ را مسلمان بندہ نیست

پیش فرعونے سرش افگندہ نیست!

اپنی حاجتوں کا رخ حق کی طرف پھیر دینے سے، اپنی احتیاج و ذلت کا رشتہ قادر مطلق سے جوڑ لینے سے انسان حقیقی معنی میں انسان بنتا ہے، بے خوف و بے جگر مجاہد، آزاد و بے باک مرد، مرد حر، جس کا سر کسی فرعون کے آگے جھکتا ہے، اور نہ سلطان و امیر سے وہ مرعوب ہوتا ہے، جس کی قوت بازو اور شوکت و جلال کا اندازہ آسان نہیں جس کی نگاہ سے تقدیریں بدل جاتی ہیں جس کی ہیبت سے کائنات لرزہ بر اندام ہو جاتی ہے!

اسی لئے اقبال لا الہ یعنی توحید الوہیت کو یعنی اس ایمان و اقرار کو کہ اللہ ہی ہمارے الٰہ ہیں، معبود و رب ہیں، محض گفتار نہیں قرار دیتا، بلکہ ایک بے پناہ تیغ قرار دیتا ہے، جس کی ضرب کاری ہوتی ہے، جو سارے عالم سے معبودیت کی نسبت کاٹ کر رکھ دیتی ہے، اور اس کے قائل کو سارے عالم سے غنی اور بے نیاز کر دیتی ہے!

این دو حرف لا الہ گفتار نیست   لا الہ جز تیغ بے زنہار نیست

زیستن با سوز او قہاری است   لا الہ ضرب است و ضرب کاری است

لا الہ کا کامل ذوق و فہم حاصل کرنے کے لئے کسی مرد حق کی صحبت ضروری ہے، قلب میں اس کا اذعان و یقین کسی کی نگہ کی مستی پیدا کرتی ہے،

اے پسر ذوق نگہ از من بگیر   سوختن در لا الہ از من بگیر!

یہی معنی ہیں شیخ جیلی کے اس قول کے:-

خذ العلم بافواہ رجال اللہ ولا من   مردان حق کی زبان سے علم حاصل کرو، کتابوں

الصحائف والدفاتر،   اور دفتروں سے نہیں،

اہل اللہ کی صحبت خاک کو کیمیا کرتی ہے، قلوب کے زنگ کو دھوتی ہے، ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لیجاتی ہے، اقبال کے مرشد معنوی عارف روم نے مرد حق کی صحبت کے اثرات کو یوں بیان کیا تھا،

خواہی کہ درین زمانہ فردے گردی   یا در رہ دین صاحب دردے گردی

این را بجز از صحبت مردان مطلب   مردے گردی چو گرد مردے گردی

اسی لئے قرآن میں کونوا مع الصادقین کا حکم دیا گیا!

یہ یقین، انقلاب انگیز یقین و مستی، سوز و ساز کا یہ رنگ، یہ ذوق و سرور، یہ علم حق عصر حاضر کے مکتبوں اور مدرسوں یا یونیورسٹیوں سے حاصل نہیں ہو سکتا، مکتب اپنے مقصود سے بے خبر ہو گئے ہیں، یہاں وہ علم حاصل ہوتا ہے، جو تخمین و ظن ہے، سراپا حجاب ہے، جو قلب و نظر کا فساد پیدا کرتا ہے، فکر خام بخشتا ہے، جو انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ ہے، اس کا عالم کتاب خوان تو ضرور ہوتا ہے لیکن صاحب کتاب نہیں،

مردان حق کی نگہ کے فیض سے قلب میں یقین و اذعان پیدا ہوتا ہے، شدت یقین و اذعان جو ایمان کا دوسرا نام ہے، ایمان کا لازمی نتیجہ شدت حب یا عشق ہے، الذین آمنوا اشد حبا للہ اس پر صریح دلیل ہے، اور اقبال شدت حب یا عشق کے معنی توحید پر ایمان یا شدت یقین ہی کے لیتے ہیں،

عاشقی توحید را بر دل زدن   وانگہے خود را بہر مشکل زدن!

یعنی لا الہ کا یقین جب قلب کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتا ہے، تو عشق پیدا ہوتا ہے، عشق گویا سراپا یقین ہے، سکون و ثبات ہے، ام الکتاب ہے، حقائق حیات کی معرفت کا آلہ عشق ہے، علم نہیں، فتح یاب عشق سے ہوتا ہے، علم سے نہیں، ع

علم ہے پیدا سوال عشق ہے پنہان جواب

قلب میں عشق کا شعلہ پیدا ہوتے ہی خودی بیدار ہوتی ہے، خودی نتیجہ ہے لا الہ کے اذعان و ایقان کا، توحید کا، ایمان کا، شدت حب یا عشق کا، حق تعالیٰ کی ربوبیت پر، ان کی معبودیت پر، ان کی مالکیت و حاکمیت پر یقین ہمیں غیر اللہ

کی غلامی سے نجات دلاتا ہے، سارے عالم سے غنی بناتا ہے،

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے — ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اسی یقین و ایمان سے ہم میں خودی یا "احساس نفس" پیدا ہوتا ہے، ذات کی تعیین ہوتی ہے، ہمارا ضعف قوت سے، ذلت عزت سے، فقر غنا سے بدل جاتا ہے، موجوداتِ عالم میں سے ہم نہ کسی سے ڈرتے ہیں، اور نہ کسی کو نافع وضار سمجھتے ہیں،

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ — اگر تم مومن ہو تو ان سے خوف نہ کرو مجھ سے خوف کرو،

کا حکم ہمیں سارے عالم سے بے خوف کر دیتا ہے، ہمیں حق کے سوا نہ کسی سے امید ورجا ہوتی ہے، اور نہ کسی سے خوف وہراس،

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ — کیا اللہ بندہ کے لئے کافی نہیں،

کی گر ساری کائنات سے مستغنی ہو جاتے ہیں، اور صحیح معنی میں مخاطب ہو جاتے ہیں، اس قول کے

أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ — تم ہی بلند ہو اللہ تمھارے ساتھ ہے،

اسی خودی کی موت سے عرب وعجم پر جمود طاری ہے ع

خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام

خودی کی موت سے روح عرب ہے بے تب وتاب — بدن عراق وعجم کا ہے بے عروق وعظام

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر — قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام

خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور — کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام

ایمان کا نتیجہ عشق اور عشق کا نتیجہ خودی کی بیداری یعنی قوائے عمل کا جاگ اٹھنا، عشق سے عمل کی قوتیں کس طرح جاگ اٹھتی ہیں، صاف سمجھ میں آتا ہے، عشق کا ایک خاصہ تفرد ہے، یعنی عاشق کے لئے معشوق کے سوا سارے علائق منقطع ہو جاتے ہیں، وہ دونوں جہان سے فارغ ہو کر صرف معشوق ہی کا ہو جاتا ہے، معشوق کا ہر حکم عاشق کے لئے قضائے مبرم ہو جاتا ہے، اس کے ہر امر کے امتثال اور بجا آوری میں اس کو راحتِ جان میسر ہوتی ہے، اب اس کو نہ تیغ وخنجر کا خوف رہتا ہے، اور بجرد ہو کر، وہ شمشیر کی مانند برندہ و براق ہو جاتا ہے، اسی شعلہ کی تنویر نے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو اپنا سارا تن من دھن اسلام کی راہ پر قربان کرنے پر آمادہ کر دیا تھا، ان ہی کے کارناموں کی طرف اشارہ ہے اقبال کے ان اشعار میں:

عشق کے ہیں معجزات سلطنت وفقر ودین
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج ونگین
عشق مکان ومکین، عشق زمان وزمین
عشق سراپا یقین اور یقین فتح یاب!

عشق کا شعلہ قلب میں سنگ گراں کی ظلمتوں کو نور سے بدل دیتا ہے، نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور روح کا تجلیہ، رذائل اخلاق محاسن سے بدل جاتے ہیں، موت جیسی مبغوض شے اب محبوب ہو جاتی ہے، مومن مشتاق کو اپنے محبوبِ حقیقی کے بقا کی تڑپ ہوتی ہے، موت ہی کے پل پر سے گذر کر اس کو حق تعالیٰ کی رویت نصیب ہوتی ہے، اس لئے موت اس کے لئے ایک تحفہ ہے، جس کا وہ اشتیاق کے ساتھ منتظر ہوتا ہے، یہی معنی ہیں حضور انورؐ کی اس دعا کے

اللّٰهُمَّ حَبِّبِ الْمَوْتَ إِلَى مَنْ يَعْلَمُ أَنَّ — الٰہی موت کو اس شخص کے لئے محبوب کر دیجئے جو

مُحَمَّدًا رَسُولُكَ، — جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا رسول جانتا ہے،

کیونکہ اس کے لئے موت راہِ شوق کی آخری منزل ہے، یہ اس کو کوئے دوست میں پہنچا دیتی ہے، دوست کو دوست سے ملا دیتی ہے:

بگذر از مرگے کہ سازد با لحد — زانکہ این مرگ است مرگ ام ودد
مرد مومن خواہد از یزدان پاک — آن دگر مرگے کہ برگیرد ز خاک
آن دگر مرگ انتہائے راہ شوق — آخرین تکبیر در جنگاہ شوق
جنگ مومن چیست ہجرت سوئے دوست — ترک عالم اختیار کوئے دوست (رومی)

جس شخص کی نظر میں موت محبوب ہو جائے اس کے قلب پر مال وجاہ کی محبت کیسے غالب ہو سکتی ہے، حرص وبخل کی اس میں گنجائش کہاں، کبر وریا وکینہ کیسے پیدا ہو سکتے ہیں، پھر بھی لا الہ پر ایمان واذعان اس امر کا یقین ہے کہ زمین وآسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کے مالک اور حاکم حق تعالیٰ ہیں، لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جب حقیقی مالک حق تعالیٰ ہیں تو ہم محض امین ہوئے، مال ودولت چند سال کے لئے جو ہماری عمر کی مدت ہے امانت ہے، امانت ملک نہیں جب ملک نہیں تو اس سے محبت کیسی؟ سچا اور ایماندار امین ہر وقت استرداد امانت کے لئے تیار رہتا ہے، اور اس کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا، اس کا دل تو دلدار ہی کے لئے وقف ہے کیونکہ وہ جانتا ہے ع

یک دل داری بس است یک دوست ترا (جامی)

جب مال کی محبت کی جگہ اس کے قلب میں نہیں تو طمع یا حرص کے پیدا ہونے کا کیا سوال، اس فقر حاضر[۵۱] سے اس کا قلب فارغ ہوتا ہے، خوف مرگ، حبِ مال وجاہ، حرص وطمع سے نجات، غم وحزن سے نجات ہے، جس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف الہرم[۵۳] یا نیمہ پیری سے تعبیر کیا ہے، اب ذوقِ توحید کا سرشار عاشق اللہ است حق تعالیٰ ہی کے لئے زندہ رہتا ہے، مال وگنج کے لئے نہیں حق تعالیٰ کے اوامر واحکام کے امتثال کے لئے زندہ رہتا ہے، جاہ وحشمت کے لئے نہیں، اس کا مرنا بھی حق تعالیٰ ہی کے لئے، خوف ورنج سے نہیں ہم وغم سے نہیں،

بہر یزدان می زید نے بہر گنج — بہر یزدان می مرد نے خوف ورنج
آنچناں خندد کہ او بیند رضا — ہمچو حلوائے شکر او را قضا (رومی)

لا الہ کو بے دلیل وبرہان از روئے جان ماننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلب میں حق تعالیٰ کی محبت وعشق کی آگ سلگ گئی، خودی بیدار ہوئی، عمل کی دنیا آسان ہو گئی، علم میں وسعت پیدا ہو گئی، قلب میں محبت وسرور کا نشہ اٹھا، نفس کا تزکیہ دل کا تصفیہ روح کا تجلیہ ہو گیا، رذائل اخلاق صفات حسنہ میں مبدل ہو گئے،[۵۲] لا متناہی ترقی کی راہ کھل گئی، زندگی لذتِ پرواز کا نام ہو گیا! یہ ہیں وہ اقدار اور اقدار کے حصول کی راہ جو اقبال عصر حاضر کے نوجوانوں کے آگے پیش کرتا ہے، خدا ہمیں فہم سلیم عطا کرے، اور ان اقدار کے تحقق کی توفیق دے، إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى،

---

۵۱ حدیث: ایاکم والطمع فانہ الفقر الحاضر (جاوید نامہ ص ۲۴۵)

۵۲ تمام صفات قبیحہ سے قلب کا تزکیہ لا الہ الا اللہ کے ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے کس آسانی سے ہو جاتا ہے، یہ معلوم کرنا ہو تو دیکھو میرا رسالہ "قرآن اور سیرت سازی" مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

۵۳ ضعف ایمان است ودلگیری است غم — نوجوانا! نیمۂ پیری است غم
(تلمیح بحدیث مشہور: الھم نصف الھرم (جاوید نامہ صفحہ ۲۴۵)

انڈونیسیا

از

ازجناب مولوی محمد صابر صاحب سماٹری ندوی متعلم مسلم یونیورسٹی

"جاپان کی موجودہ جنگ نے جزائر شرق الہند کے مسئلہ کو بہت اہم بنادیا ہے، وہاں مسلمانوں کی بڑی اکثریت ہے جن کے حالات سے کم لوگوں کو واقفیت ہے، اس لئے امید ہے کہ یہ مضمون جو ایک تعلیم یافتہ سماٹری کے قلم سے ہے، دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔"
"م"

تجارت | موجودہ جنگ کے سلسلہ میں بہت سے ایسے شہر اور ملک جن سے بہت کم لوگ واقف تھے، روشنی میں آگئے، انہی گمنام ملکوں میں شرق الہند کے جزائر بھی ہیں جو موجودہ زبان میں "انڈونیسیا" کے نام سے مشہور ہیں، اس جنگ سے پہلے اگر کوئی شخص ان جزائر سے واقف بھی تھا، تو صرف اس قدر کہ وہاں شکر بہت پیدا ہوتی ہے، اور وہاں کے باشندے کافی تعداد میں ہرسال حج کے لئے جاتے ہیں، لیکن یہاں کے دوسرے حالات اور معدنی ذخائر کا بہت کم لوگ علم رکھتے تھے، اس جنگ کی بدولت دنیا کی آنکھوں میں ان جزائر کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ان جزیروں کے ذخائر دنیا کی اقتصادی حالت پر خاص اثر ڈالنے والے ہیں،

جزائر شرق الہند ایشیا اور آسٹریلیا کے درمیان اور دنیا کے عظیم ترین سمندر بحر کاہل اور بحر ہند کے بیچ میں واقع ہیں، نقشہ میں دیکھئے تو بے شمار مختلف شکلوں کے جزائر نظر آئیں گے، جو ایک تباہ شدہ عظیم الشان پل معلوم ہوتے ہیں، جو بر اعظم ایشیا اور آسٹریلیا کو ملاتے تھے، اگر ان کو یورپ کے اوپر رکھ دیا جائے تو وہ بیچ میں آئرلینڈ سے لیکر بحر اسود تک کے حصہ کو گھیرے گا، ان جزائر کے بہت سے نام ہیں، جیسے جزائر شرق الہند، ملایا کا مجمع الجزائر (malay Archipelago)، ڈچ ایسٹ انڈیز (Dutch East Indies) یا نیدرلینڈ ایسٹ انڈیز (Netherland East Indies) اور انڈونیسیا (Indonesia) وغیرہ ان ناموں میں معنی کے لحاظ سے سب سے زیادہ جامع اور پسندیدہ نام انڈونیسیا ہے، دنیا میں بہت کم ایسے مقامات ہوں گے جو اپنے باشندوں کے اوضاع و اطوار اور جغرافیائی حالت کے اعتبار سے اس قدر دلکش اور دلفریب ہوں گے جس قدر یہ جزائر ہیں، سیاحوں نے ان کو "جنت ارضی" کا خطاب دیا ہے، یہ وہی ملک ہے، جہاں کبھی مشہور سیاح چارلٹن پرکنس نے اپنی سیاحت کے بہترین لمحے صرف کئے تھے، وہ اس کے بارے میں لکھتا ہے، کہ میرے خیال کے مطابق بہشت کیا ہے، اور کیسی ہے؟ اس کی ایک عمدہ مثال جاوا ہے، اگر کسی کے خیال میں بہشت وہی مقام ہے جہاں دنیا کی تمام آرام و آسایش کا سامان مہیا ہو، جو پرفضا و سکون بخش ہو تو یقیناً جاوا کو بہشت کہا جاسکتا ہے،

محمد علی مصری کا قدم جب ان جزائر میں پہونچا تو اس کے پرشور دریاؤں، نظر فریب جھیلوں، خرم آبشاروں، نیلگوں اور دلکش کہساروں کو دیکھ کر اس نے کہا کہ "بیشک جاوا عیش و طرب کا ایک لامتناہی باغ ہے، حقیقت میں وہ مشرق

کی جنت ہے"

اے آر ہوپ مونرف (A. R. Hope moncrieff) نے آج کی دنیا (The world of Today) میں ان جزائر کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے:-

"دنیا کے کسی گوشہ میں فطرت کی گلکاریاں اس قدر مسحور کن نہیں جس قدر ملایا کا مجمع الجزائر ہے، فطرت پرست اور بے نظیر حسن اور عجائبات کے متلاشی کے لئے وہ اپنے اندر دلچسپیوں کا بڑا سامان رکھتا ہے، سیاح اور شعراء کے رنگین ترین الفاظ بھی اس کے دلکش استوائی سمندر اور کنول سے لدے ہوئے ساحلوں کا ایسا نقشہ کھینچنے سے قاصر ہیں، اس کے دلفریب مناظر دیکھنے کے لئے Tenyson جیسی شخصیت بھی اس استوائی خطے میں سیر کرنے کی آرزو مند تھی، استوائی جزیروں میں جاوا سب سے دولت مند اور مشرق کا باغ ہے"۔

ہندوستان کے پرانے صحیفوں - jatakas "Kathakosa" اور Brhut Katha کے اوراق میں سونے کا ملک یا سونے کا جزیرہ کے نام سے اب بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے،

آبادی | ماہرین علم الاقوام کی رائے انڈونیسی باشندوں کی نسل کے بارہ میں مختلف ہے، کوئی انہیں نوسیلی (Poanil man) نسل سے بتاتا ہے، کسی نے کالا پزنگ نسل سے کہا ہے، بعض نے منگول اور اسٹرالینو بتایا ہے، ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ ان باشندوں کا اصلی مسکن انڈوچائنا تھا، آریوں کی مزاحمت سے وہ لوگ جزائر میں منتشر ہوگئے، یہ سب رائیں اپنی جگہ پر صحیح ہوسکتی ہیں، لیکن اس کا بھی امکان ہے، کہ کچھ لوگ ادھر ادھر سے آکر یہاں آباد ہوگئے ہوں اور بعد میں کسی سیاسی دباؤ نے ان سب کو ایک رشتہ میں منسلک کردیا ہو، اور وہ آپس میں گھل مل کر ایک نسل بن گئے ہوں، بہرحال یہاں کی قدیم آبادی جس قوم سے بھی تعلق رکھتی ہو، قدیم تاریخوں کی چھان بین اور علمائے یورپ کے متفقہ بیان سے اتنی بات تو پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے، کہ انڈونیسیا کی آبادی ایک ہی نسل سے ہے، محققوں نے یہاں کے باشندوں کی تقسیم تین گروہ میں کی ہے،

(۱) اصلی ملایو (Proto malay) ان کا مرکز جزیرہ سماٹرا ہے، یہ شروع سے لے کر اب تک مختلف حیثیتوں سے ترقی کے منازل طے کر رہے ہیں، اور وہ تقریباً سارے جزائر میں پھیل گئے ہیں، ان کی آنکھ، بال، اور چہرے کی ساخت منگول کے مشابہ ہے، قد میانہ اور رنگ گندمی مائل بہ سفیدی جسم کم و بیش گٹھیلا ہوتا ہے، جزائر کی تقسیم اور مقامات کے اختلاف سے وہ قدرتی طور پر مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہیں، ان میں آچیہ، گایو، لپونگ (سماٹرا کے) سونڈا، اور مدورا (جاوا کے) بنجر (بورنیو کے) اور بوگیس (سلیبس کے) مشہور ہیں،

(۲) غیر مہذب گروہ (Primitive) یہ جزائر کے گلزار جنگلوں اور دور دراز پہاڑوں میں آباد ہیں، یہ لوگ رفتہ رفتہ نئی روشنی میں قدم رکھ رہے ہیں، باتک، شاکی "تشامنگ" اور تانگ ملایا، اور سماٹرا میں اور ایک بورنیو میں پائے جاتے ہیں،

(۳) نیگریٹو (Negrito) یہ غیر مہذب گروہ کی ایک شاخ ہے، گو یہ آپس میں مختلف ہیں، لیکن ان کی عام خصوصیات بالکل یکساں ہیں، نیوگنی میں، پاپوا، اور ان کی خاص تعداد جزائر ملوکو اور شمالی سلیبس میں پائی جاتی ہے،

ان کے بال گھونگر والے اور رنگ سیاہ ہوتا ہے جنگلی جانور اور پھل ان کی غذا ہے، ان کے متعلق محققون کی تین رائین ہین

(۱) یہ جزائر کے اصلی باشندے ہین،

(۲) خاص ایشیائی خطہ (Asia main land) کے اصلی باشندے ہین،

(۳) افریقہ سے آئے ہوئے قبائل ہین یہ آخری رائے سب سے زیادہ قابل قبول مانی جاتی ہے،

اقتصادیات قدیم زمانہ مین ان جزائر کی اقتصادی اہمیت اتنی زیادہ تھی، کہ وہ سونے کے ملک یا سونے کے جزیرہ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے، اور اب تو ان کی اہمیت اتنی بڑھ گئی ہے، کہ Dorothy woodman ان کے متعلق یون لکھتا ہے، کہ

"بحرالکاہل کے یہ ہزارون جزائر موجودہ اقتصادی دنیا مین بہت بڑی اہمیت رکھتے ہین، ان کی پیداوار یورپ اور امریکہ کے کرورون آدمیون کی اقتصادیات پر اثر انداز ہو گئی ہے"

چونکہ وہ خط استوا پر واقع ہین، اس لئے خاص طور پر استوائی پیداوار کا خزانہ ہین، اور وسادر کے لئے شکر، کافی، ربر، ناریل، سنکونا، تمباکو، سیاہ مرچ اور دیگر مصالحے ان کی مشہور پیداوار ہین، تقریباً ہر جگہ ان کی بہت بڑے پیمانہ پر کاشت کیجاتی ہے، اگر ضرورت پڑے تو یہ جزائر ساری دنیا کے لئے ربڑ اور شکر مہیا کرتے ہین، تمباکو، ۲۰ ہزار ٹن سیاہ مرچ، ۳۰ ہزار ٹن، ناریل چار لاکھ ٹن، کم و بیش ہر سال ان جزائر مین پیدا ہوتے ہین، امریکی ربڑ کمپنی (U.S.A) (Good year Tire & Rubber & Tire stone Tire Rubber Co) ان جزائر کے ربڑ کے چوتھائی حصہ پر قابض ہے، دنیا کی ربڑ کی تمام پیداوار کا نصف سے زیادہ حصہ صرف ملایا سے حاصل ہوتا ہے Muiroy oulton نے یہ لکھا ہے کہ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر سماٹرا کی پوشیدہ دولت کا استعمال کیا جائے اور اس کی زرخیز زمین کی کاشت کی جائے، تو وہ ساٹھ یا ستر ملین باشندون کی کفیل ہو سکتی ہے، ممالک متحدہ کی درآمد ۱۹۳۹ء مین ان جزائر سے ۹۹ فی صدی کونین، ۹۲ فی صدی کو بیو کا، ۷۰ فی صدی بکری کے چمڑے اور ۸۶ فی صدی تو بیو کا ہے، ان پیداوارون کے علاوہ انڈونیسا معدنیات کے لحاظ سے بھی کم نہیں ہے، یون تو Balikpapan Tarakan (Jandjoely) PURAPALEMBANG تیل کے لئے اہم جگہ ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی جگہ جگہ تیل کے چشمے ہین جس قدر تیل رومانیا اور ایران مین نکالا جاتا ہے، اس سے کہین زیادہ بورنیو مین نکلتا ہے، امریکی تیل کمپنی (No 201) Standard oil Co (Jersey & California) کے ذریعہ جزائر کے تقریباً ۴۰ فی صدی تیل کے منافع حاصل کرتی ہے، (Banka Malay Peninsula & Billiton) ٹین کا خزانہ ہے، یہان سے تیس ہزار ٹن سالانہ برآمد ہوتا ہے، دنیا بھر مین جس قدر ٹین ملتا ہے، اس کا تہائی حصہ ملایا سے نکلتا ہے، لوہے کوئلے سونے، چاندی اور ہیرے کی کانین بھی یہان پائی جاتی ہین، ۱۹۳۵ء مین صرف جزیرہ نما ملایا سے 29000 اونس سونا نکالا گیا ہے، (Murray Oulton) نے سماٹرا کے متعلق لکھا ہے، کہ اس کا معدنی ذخیرہ بہت زیادہ مشہور ہے، لیکن یہ بھی سائنٹفک استعمال کا منتظر ہے، اگرچہ حال ہی مین تیل کی نکاسی بہت بڑھ گئی تھی، وہان قیمتی کوئلہ کا خزانہ ہے، تانبے، ٹین، لوہے جیسی معدنیات کے ساتھ ساتھ بیش قیمت دھات سونا اور چاندی بھی ملتی ہے،

الغرض جزیرہ سماٹرا مین ہر وہ چیز موجود ہے جس سے وہ دنیا مین ایک امیر ترین ملک بن سکتا ہے،

جزائر کی یہ ساری پیداوار اور خام اشیاء سنگاپور کے بازار مین یکجا ہو کر ساری دنیا کے مختلف حصون مین تقسیم ہوتی ہین، L Dudley Stamp نے لکھا ہے، کہ جاوا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، لیکن اس کے باوجود بھی یہان کی تجارتی برآمد کلکتہ کی تجارتی برآمد سے زیادہ قیمتی ہے، انڈونیسا کی تمام اشیا کا ٹھیکہ باہر والون کے ہاتھ مین ہے، اور قابل افسوس بات یہ ہے، کہ ان مین یہان کے باشندون کا کوئی حصہ نہین، غرض ان جزائر کے گران مایہ ذخائر اقتصادی دنیا کے اہم ترین عنصر ہین،

۱۶۰۲ء مین ڈچ ایسٹ انڈیز کمپنی (Dutch East Indies Co) کی بنیاد پڑی، اس کا خاص مقصد انڈونیسا مین تجارت اور اس سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا تھا، اس کو ملکی انتظام سے کوئی سروکار نہ تھا، بلکہ ان مین اس کی صلاحیت ہی نہ تھی، البتہ تجارتی مفاد کے لئے وہ مقامی عہدہ دارون پر اپنا تسلط جماتی تھی، یہ لوگ ولیعہد (Regent) یا نائب حکومت کہے جاتے تھے، کمپنی کے لئے قلی اور کارندے مہیا کرتے تھے، انامیون[1] نے انڈوچائنا کی کاشت مین چاول کی پیداوار بڑھا کر فرانس کے لئے سرمایہ فراہم کیا، ایپوہ[2] (Ipoh) کے مزدورون نے برطانیہ کے لئے اقبال مندی کا سامان تیار کیا، اور جاوا کے مہتون نے تیل کے کنوین کھود کر ڈچ والون کی زندگی کا معیار بلند کر دیا،

اس سے انڈونیسا کو فائدہ ضرور پہونچا، اس لئے کہ پڑتی زمینین بڑے پیمانہ پر کاشت کی جانے لگین، بڑے بڑے صنعتی کارخانے قائم ہونے لگے، کان کنی کی وجہ سے پہاڑی اور ویران مقامات آباد ہو گئے، بے شمار بندرگاہون کی تعمیر عمل مین آئی جس مین یورپ، امریکہ، آسٹریلیا اور جاپان کے بڑے بڑے تجارتی جہاز لنگر انداز ہوتے تھے، اس سے انڈونیسا کی رونق روز بروز بڑھتی گئی، اور سچ تو یہ ہے، کہ انھین کی بدولت انڈونیسا کی سرزمین دولت اگل رہی ہے، لیکن اصلی باشندون کی حالت یہ ہے کہ وہ دانہ دانہ کے محتاج اور آبادی چھوڑ چھوڑ کر غیر آباد جگھون مین سکونت اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔۔۔۔۔

انیسوین صدی کے وسط مین وہان ایک زبردست قحط پڑا جس مین باشندون کی بڑی تعداد ضائع ہو گئی، کمپنی کی یہ پالیسی کسی حالت مین بھی اچھی نگاہون سے دیکھی نہین جا سکتی ہے، کہ اوس نے اپنے تجارتی مفاد کے مقابلہ مین باشندون کی فلاح و بہبود کی قطعی پرواہ نہ کی، اور اسی لئے جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی رفتہ رفتہ حکومت برطانیہ مین منتقل ہو گئی، اسی طرح ڈچ ایسٹ انڈیز کمپنی، ڈچ مشرقی مجمع الجزائر کے موجودہ نظام حکومت مین منتقل ہو گئی،

بٹاویا کے ابتدائی جمہوری عہد مین انقلاب فرانس کے اثرات نظر آنے لگے تھے، چنانچہ ڈچ ایسٹ انڈیز کمپنی کی نااہلی اور ناانصافی Home Parliament مین پیش کی گئی، اس پر غور کرنے کے لئے ۱۸۰۰ء مین گورنمنٹ نے ایک کمیشن اس ہدایت کے ساتھ مقرر کیا، کہ جن اصول اور طریقون پر مقبوضہ ممالک کی تجارت ہونی چاہئے، وہ ایسے ہون جو جزائر شرق الہند کے لئے عظیم ترین فلاح و بہبود اور سرکاری تجارت نیز ملکی مالیات کے لئے سب سے زیادہ منافع پیدا کرین"

پھر رفتہ رفتہ گورنمنٹ کی جانب سے کئی ترمیمات ہوئین، ان مین ۱۸۵۴ء کا قانون ڈچ آبادکاری کی تاریخ مین دور آفرین واقعہ (Land mark) کی حیثیت رکھتا ہے، انیسوین صدی مین انقلاب روس کا اثر اس ملک پر بھی پڑا، چند حریت پسند رہنماؤن نے آبادکاری کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ وہ عام دلچسپی کا باعث بن گیا، چنانچہ ۱۹۰۱ء کا یہ فرمان کہ اہل جاوا کی فلاح و بہبود کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے گا" اسی کا نتیجہ تھا، کا ش دو صدی حکومت

---

[1] انڈوچائنا کا باشندہ [2] Ipoh ملایا مین ٹین کی سب سے مشہور کان کا نام ہے،

حکومت کرنے کے بعد ۱۹۰۰ء میں پہلی بار ہیدہ رلینڈ گورنمنٹ نے براہ راست انڈونیسا کے لئے ۵۰ ملیون (Florins) کی رقم اس شرط پر دینی منظور کی، کہ اس کو پندرہ سال کے اندر جاوا اور مدورا کی اقتصادی ترقی مین صرف کیا جائے،

سیاست انڈونیسا کی سیاسی حیثیت ایک بڑی تاریخی اہمیت رکھتی ہے، اس پر ایسے ایسے فرمانرواؤن نے حکومت کی ہے جن کی اہمیت سلطنت کے رقبہ اور فتوحات کے لحاظ سے کسی طرح قدیم بڑے بڑے حکمرانون سے کم نہ تھی، مغرب مین ہندوستان تک شمال مین فیلپائن و جزیرہ نماے کوریا تک مشرق اور جنوب مین دیگر جزائر تک ان کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی، ان کا جنگی بیڑا اپنے وسیع نوآبادیات مین چکر لگاتا رہتا تھا، جو بحر الکاہل اور بحر ہند مین واقع تھے، جاپان، چین اور جزیرہ مدگاسکر ان کے تجارتی بیڑے کے جولانگاہ تھے،

ہندو عہد جزائر شرق الہند، اپنے خزانون کی وجہ سے دوسری قومون کے لئے قدیم زمانہ سے آج تک جاذبیت کا باعث بنا ہوا ہے، ہندوستان کے تاجر اسی دولت کی تلاش مین وہان پہونچے، یہی تجارتی آمدورفت نوآبادیات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، ہندوؤن کا نوآبادیاتی زمانہ پہلی یا دوسری صدی مین شروع ہوچکا تھا، لیکن ابوزیادحسن (عربی مورخ) کا بیان ہے کہ ہندو کی عظیم الشان سلطنت جو مجمع الجزائر کے بڑے حصّہ اور جزیرہ نماے ملایا پر حاوی تھی، وہ نوین صدی کے وسط سے لیکر دسوین صدی عیسوی کے اختتام تک پورے عروج پر تھی، چینی اور عربی مورخ دونون کے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دسوین صدی مین صرف "سایلینڈرا" کی زبردست سلطنت کو سیاسی اور تجارتی فوقیت حاصل تھی،

اس کے بعد اندوجادی عہد حکومت شروع ہوتا ہے، اس دور مین سلطنت ماتارام پجاجارن، تاوری اور سنگی ساری خاندان قابل ذکر اور پرشکوہ سلطنتین تھین، تیرھوین صدی مین "ماجاپاہیت" کی سلطنت سب سے آخری اور سب سے بڑی تھی جو تقریبًا تمام انڈونیسا پر حکمران تھی، اور اپنی تہذیب وتمدن کے لحاظ سے اور حکومتون مین سب سے زیادہ ترقی یافتہ حکومت مانی جاتی تھی، سیاسی اقتصادی اور علمی حیثیت سے بیرونی انڈونیسا مین بھی اس کا چرچا تھا، ہندو اور اندوجادی عہد حکومت کی تفصیل ایک ضخیم کتاب کی محتاج ہے، اس موقع پر اتنا لکھنا کافی ہے، کہ ان کے آثار کئی سوسال گذر جانے کے بعد آج بھی انڈونیسا کے بعض بعض حصّون مین عالیشان مندرون اور بلند بالا بتون جیسے (Mendoet Broboedoer) وغیرہ کی صورت مین پائے جاتے ہین، بلکہ جزیرہ بالی آج بھی ہندو عہد کی زندہ یادگار ہے، ہندو اور اندوجادی حکومت مٹتے ہی اسلام کا نیّر اقبال طلوع ہوا،

اسلامی عہد اسلامی انڈونیسا مین اسلام کی روشنی کب اور کن لوگون کے ذریعہ پہونچی اس کا قطعی طور پر بتانا ناممکن سا ہے، اس لئے کہ تاریخ کے صفحات اس باب مین خاموش ہین، لیکن جہان تک قیاس رہنمائی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ عرب تاجرون کے ذریعہ یہان اسلام پہنچا، اہل عرب بہت قدیم زمانہ سے مشرقی ملکون مین تجارت کرتے تھے، آٹھوین صدی عیسوی کے وسط مین چین کے صوبہ کانٹن مین عرب تاجر کثرت سے نظر آتے تھے، پندرھوین صدی مین جب کہ پرتگال والے ملایا کے جزیرون مین پہونچے، تو مشرقی ملکون کی تجارت پر اہل عرب کو قابض پایا، جو دسوین صدی سے یہان تجارت کرتے تھے، اور انڈونیسا کی بندرگاہون مین ان کی خاصی تعداد آباد ہو گئی تھی، اور وہان انھون نے اپنے مذہب کا بیج بو دیا تھا، اس تجارتی تعلق نے رفتہ رفتہ سیاسی حیثیت اختیار کرلی، اور انڈونیسا مین ہندو حکومت کے تباہ شدہ کھنڈر پر کئی اسلامی ریاستون کی بنیاد پڑی، یہ بارھوین و تیرھوین صدی کا زمانہ تھا، اور ملکون کے برخلاف انڈونیسا کی اسلامی تاریخ

دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان جزیرون مین اسلام کی کامیابی مسلمان فرمانرواؤن اور اسلامی مبلغین دونون کی یکجہتی اور پرخلوص کوشش کا نتیجہ ہے، مبلغون نے ان جزیرون مین اسلام کی تخم ریزی کی، اور مسلمان فرمانرواؤن کے ہاتھون اس کی آبیاری ہوئی، ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سماٹرا کے سلطان سمدرا نے شاہان دہلی سے دوستانہ تعلقات پیدا کرلئے تھے، اس سلطان کے دربار مین دو فقیہ موجود تھے، ان مین ایک شخص شیراز اور دوسرا اصفہان کا باشندہ تھا، ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی کتاب اشاعت اسلام مین لکھا ہے کہ مسلمانون نے انڈونیسا مین اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ معاشرتی اصلاحین بھی کین، لیکن ان کے اندر فاتحانہ نخوت و پندار اور شاہانہ تعلّی و خودستائی نہ تھی، اور نہ انھون نے اسپین اور ہالینڈ کے عیسائی فاتحون کی طرح یہ دعویٰ کیا کہ ہم کسی زبردست قوم کے آدمی ہین، اور ہمین ہر قسم کی سرفرازی و برتری حاصل ہے تاکہ ملک کے باشندون کو ذلیل سمجھ کر اُن پر ظلم کیا جائے، بلکہ مسلمان صرف تاجر کی حیثیت سے یہان آئے اور اپنی لیاقت اور ذہانت اور بہترین تہذیب کی مدد سے اسلام کی خدمت مین مصروف رہے، حکومت کے بل پر لوگون کو آزار پہنچانا یا دولت سمیٹنا ان کا مقصد نہ تھا،

غرض ان مبلغون کی کوششون سے اسلام کی روشنی مختلف سمتون مین پھیل گئی اور یہان کے باشندے اسلام کی دولت سے سرفراز و سربلند ہوتے گئے، یہان تک کہ اب انڈونیسا کی زیادہ آبادی مسلمانون کی ہے، ۰ لاکھ ۳۵ ہزار ۲۷۸ مربع میل کے رقبہ مین، ۷ کروڑ، ۰ لاکھ، ۲ ہزار ۲۳۳ کی آبادی مین تقریبًا ۶ کروڑ مسلمان ہین،

یورپین دور سمندری راستہ دریافت ہونے کے بعد جب یورپ والون کے لئے مشرقی ممالک کا دروازہ کھلا تو پہلے پہل پندرھوین صدی کے آغاز مین پرتگال والے پہونچے، پھر اسپین والون کی باری آئی، اور پندرھوین صدی کے وسط مین ہالینڈ کے بحری بیڑے (Cornelis de Houtman) کی زیر قیادت انڈونیسا کی طرف روانہ ہوئے، سولھوین صدی کے آغاز مین جاوا کے شہر Djakarta پر اپنا علم نصب کیا، اور شہر Batavia کی بنیاد ڈالی، جو انڈونیسا کا دار السلطنت تھا، اس کے بعد انگریزون کی آمد ہوئی، ان کے علاوہ چینیون نے بھی بڑی تعداد مین انڈونیسا کی آبادی مین اضافہ کیا، لیکن قسمت نے یہ موقع صرف اہل ہالینڈ کو دیا، کہ وہ بحیثیت حکمران اتنے دنون تک انڈونیسا کی سرزمین پر اپنا جھنڈا لہراتے رہے،

۱۹۲۳ء کے دستوری قانون کی رو سے شرق الہند ڈچ سلطنت کا ایک مستقل جزمان لیا گیا، اور اس دن سے حکومت کی باگ براہ راست تاج ہالینڈ کے ہاتھ مین منتقل ہوگئی، گورنر جنرل کا تقرر جس کے اختیارات، اور جس کا عہدہ ہندوستان کے وائسرائے کے برابر ہے، براہ راست تاج ہالینڈ کے اختیار مین ہے، اور وہی ملک کے نظم ونسق کا ذمہ دار ہے، اس کا صدر مقام (Head quarter) بٹاویہ (Batavia) کا شہر ہے، گورنر جنرل کی ایک کونسل ہے جو ایک وائس پریسیڈنٹ اور چار ممبرون پر مشتمل ہے، ان مین سے ایک ممبر انڈونیسی ہوتا ہے، یہ لوگ نظم ونسق کے تجربے کے لئے منتخب ہوتے ہین، اس کے علاوہ آٹھ اور شعبے ہین، جنگی، سمندری، عدالتی وغیرہ، ہر ایک شعبہ کا ایک ڈائرکٹر ہے، جو گورنر کی طرف سے ان شعبہ جات کا ذمہ دار ہوتا ہے، بقیہ حصون مین ریزیڈنسی طریقہ رائج ہے، ہر ریزیڈنسی ایک ڈچ ریزیڈنٹ کے ماتحت ہوتی ہے، لیکن ۲۵ واستو ریجنسیون پر منقسم ہو، ان مین سے ہر ایک ریجنسی مقامی نواب (Native Regent) کی ماتحتی مین ہے، اس کا ایک حصّہ مقامی ریاست (Native State) ہے جو محدود

خود اختیاری حکومت کی حیثیت رکھتی ہے،

اندونیسا کی الگ اپنی پارلیمنٹ ہے، جس کو فولکسراد (Volksraad) کہتے ہین، اس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۸ء مین ہوا تھا، فولکسراد صرف مشاورتی مجلس ہے انتظامی امور سے اس کو عملی تعلق نہیں، سال مین اس کے دو اجلاس ہوتے ہین، ان مین سے ایک خاص بجٹ کے لئے ہے،

اندونیسا کی سیاسی اہمیت کا اندازہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سابق سکریٹری آف اسٹیٹ مسٹر (Cord Hull) کے اس بیان سے ہوسکتا ہے، جو انھون نے اپریل ۱۹۴۰ء مین دیا تھا، کہ نیدرلینڈ انڈیز کی سیاسی حیثیت مین کوئی تبدیلی براہ راست بہت سے ممالک کے مفاد پر اثر انداز ہوگی، کیونکہ بحرالکاہل کے بین الاقوامی سیاسی تعلقات مین یہ جزائر بڑی اہمیت رکھتے ہین، ان جزائر کی اندرونی زندگی یا اوس کی موجودہ سیاسی حیثیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی بنیاد اگر صلح و آشتی کے علاوہ کسی چیز پر ہوئی تو نہ صرف ان جزیرون کا امن وامان اور سکون خطرہ مین پڑجائے گا، بلکہ اس کی لگائی ہوئی آگ سارے بحرالکاہل کے سکون کو جلا کر خاکستر کردیگی،

قومی تحریک اندونیسا مین جذبۂ قومیت کے ابھرنے کا باعث یہان کی غیر ملکی حکومت ہے، اٹھارہوین صدی کے آخر مین یہان ڈچ حکومت قائم ہوئی، یہ وہ زمانہ تھا، جب یورپ مین قومیت اپنی پوری نشو ونما کو پہنچ چکی تھی، انقلاب فرانس سے قومیت کی تاریخ مین ایک نئے باب کا اضافہ ہوا تھا، ان قومون کی بڑھتی ہوئی طاقت نے قومی خود غرضی کو قومیت کا معیار قرار دے رکھا تھا، اور دنیا کی کمزور اور غیر منظم قومین اس خود غرضی کا نشانہ بن رہی تھین قومیت کا نصب العین اقتصادی منفعت، سیاسی طاقت اور حکومت تھا، چنانچہ اسی نصب العین کے ماتحت اندونیسا پر بھی قبضہ کیا گیا، اور دوسرون کے قومی مفاد کی خاطر اندونیسا کے مقاصد پس پشت ڈال دیے گئے، ۱۸۶۶ء مین جاپان مین زبردست انقلاب ہوا، اور نصف صدی کے مختصر عرصہ مین جاپان دول عالم کی صف اول مین شامل ہوگیا، ۱۹۰۵ء مین روس کی سلطنت سے اس کا تصادم ہوا، اور وہ جزیرہ نمائے کوریا پر قابض ہوگیا، فورٹ آرتھر مین توپون کے دھماکون نے ساری دنیا کو چونکا دیا، اور مشرقی اقوام اس آواز سے جاگ اٹھین، اندونیسا جو اس کا قریبی پڑوسی ہے، اس سے زیادہ متاثر ہوا، جنگ عظیم کے بعد انقلاب روس رونما ہوا، جو اندونیسا مین بڑی حد تک جذبۂ قومیت کا محرک ہوا، چینیون کی بڑھتی ہوئی آبادی، اور دوسری قومون کی دست درازیون نے بھی اندونیسا کے جذبۂ قومیت کی آبیاری کی،

ڈچ شہنشاہیت کے دو سو سالہ دور مین اندونیسا اقتصادی اور معاشرتی دوڑ مین دوسرے ملکون سے بہت پیچھے رہ گیا تھا، اس لئے بیرونی حکومت کا بوجھ اندونیسا والون کو کھلنے لگا، اور ان مین آزاد اور بااختیار رہنے کا جذبہ کام کرنے لگا، قومیت کا تصور اندونیسا والون کے دماغ مین جگہ پانے لگا، اور ان مین عام بیداری پیدا ہونے لگی، ملکی ادب و ثقافت کو زندہ کیا جانے لگا، قومی زبانون کو ترقی ہونے لگی، مذہبی سرمایہ کو قومی زبانون مین منتقل کیا جانے لگا، ماضی کی بھولی ہوئی روایات کی یاد تازہ کی جانے لگی، غرض ملک مین ایک عام معاشرتی اصلاح کی کوششیں شروع ہوگئین، اور اسی کے ذریعہ قومی تنظیم وجود مین آئی، اور بیرونی حکومت سے جمہوری حکومت کا مطالبہ کیا گیا، مغربی تعلیم و تہذیب کے اثر سے اندونیسا والون مین ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے اصلاح معاشرت کی طرف قدم بڑھایا، چنانچہ ۱۹۰۸ء مین انجمن بودی اوتومو (Budi Utomo) کی بنیاد پڑی، گو یہ انجمن شروع مین ایک ادبی انجمن تھی،

اور اس کا حلقہ جاوا کی ایک مختصر جماعت تک محدود تھا، لیکن بعد مین اس نے سیاسی حیثیت اختیار کرلی، اور اس کی وسعت رفتہ رفتہ بڑھتی گئی، یہان تک کہ ملک کی دوسری سیاسی جماعتین اسی انجمن کی شرمندۂ احسان ہین، قومی جماعتون مین شرکت اسلام، اندونیسا قومی لیگ اور اندونیسا اتحاد المسلمین قابل ذکر ہین، شرکت اسلام نے ۱۹۲۳ء مین فلکسراد (Parlia-ment) کے خلاف عدم تعاون کی تجویز پاس کی، ۱۹۲۶ء مین اندونیسا کمیونسٹ پارٹی نے جاوا مین اور ۱۹۲۷ء مین سماٹرا کی سرزمین مین حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، ۱۹۲۹ء مین بودی اتومو نے حکومت سے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا، اسی طرح سے دوسری قومی جماعتین بھی اپنی حیثیت کے مطابق جنگ آزادی مین ہاتھ بٹاتی رہین، قومی تحریک کی بدولت اندونیسا کی سیاسی فضا مین ہر طرف قومی بیداری کے مظاہر نظر آنے لگے،

زبان جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، اندونیسا مین مختلف زمانون مین مختلف قومین آتی رہین، اس لئے فطری طور پر وہ مختلف تہذیبون کا مقام اتصال بن گیا، اور یہ تہذیبین نہ صرف اندونیسا والون کے عقیدہ، رسم و رواج اور آرٹ پر اثر انداز ہوئین، بلکہ اس کی زبان و ادب بھی ان سے متاثر ہوئے، اسی لئے اندونیسی ادب مین دنیا کی مختلف تہذیبون اور تمدنون کا عکس صاف طور پر نظر آتا ہے،

اندونیسا کئی جزیرون کا مجموعہ ہے، ہر جزیرہ کی الگ الگ بولی ہے، ایک صوبہ کی زبان دوسرے صوبہ سے جدا ہے، یا کم سے کم لب ولہجہ، تلفظ اور طرز گفتگو مین اختلاف ہے، ان زبانون مین زیادہ مشہور ملایو، جاوی، بوگیس، باتک اور آچینہ زبانین ہین، اور ہر زبان اپنا رسم الخط اور ادب رکھتی ہے، لیکن ان سب مین صرف ملایو زبان ایسی ہے جو صدیون سے اندونیسا مین قریب قریب بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے، اور وہ لوگ جن کی بولیان الگ الگ ہین کسی نہ کسی حد تک یہ زبان بولتے اور سمجھتے ہین، اب اندونیسی قوم کی تحریک بیداری کو جس کی کوشش ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ اندونیسی باشندون کی سعی و عمل کو متحد کیا جائے، ایک ایسی زبان کی ضرورت محسوس ہوئی، جو سب فرقون، جماعتون اور گروہون کے درمیان مشترک ہو، اور قومی تحریک کے مقاصد کی ترجمانی کرسکے، چونکہ اندونیسا ایک ایسا نام ہے، جو احساس وحدت اور جذبہ اتحاد کا صحیح ترجمان ہے، اس لئے جزائر ملایو کا نام اندونیسا رکھ دیا گیا، اور اس کی نسبت سے اس کی زبان بھی اندونیسی زبان بن گئی، یہ تبدیلی جذبۂ قومیت کی پہلی جیت تھی، قومی وحدت کے لئے اتحاد زبان ضروری ہے، اور ملایو زبان عرصۂ دراز سے تمام جزائر کی مشترکہ زبان تھی، اس لئے وہی قومی زبان قرار پائی، اور اس کا نام ملایو زبان کے بجائے اندونیسی زبان رکھ دیا گیا، ملایو زبان ایک حد تک تنگ و محدود تھی، لیکن اب اندونیسی زبان نے اپنا دامن اتنا وسیع کرلیا ہے جتنی ایک قومی زبان کے لئے ضرورت ہے، اس کے الفاظ صرف سنسکرت اور عربی ہی زبان سے نہین لئے جاتے، بلکہ جزائر اندونیسا کی سب مقامی بولیان اور مغرب کی ساری زبانین خاصکر ڈچ زبان اندونیسی زبان کا ماخذ ہین،

ملایو زبان کے اندونیسی زبان بننے کے ساتھ ہی رسم الخط کا سوال بھی پیدا ہوا، اس کا پہلا رسم الخط عربی تھا، لیکن نام کے بدل جانے سے اس کی پہلی خصوصیت اور حیثیت باقی نہین رہی، وہ تمام اندونیسا کی واحد زبان تسلیم کرلی گئی، اس لئے عربی رسم الخط اب مناسب نہین رہا، اندونیسا مین جو مختلف زبانین رائج تھین، ان سب کے رسم الخط الگ الگ تھے، اگر اندونیسی زبان کے لئے عربی رسم الخط اختیار کیا جاتا، تو اس قسم کے اختلافی سوالات پیدا ہونے کا امکان تھا کہ جاوی زبان کا رسم الخط کیون نہ اختیار کیا جائے، جب کہ اس رسم الخط کے جاننے والے کافی لوگ ہین، اس قسم کے صوبجاتی

سوالات کو جو ہر تحریک کے لئے خطرناک ثابت ہوتے ہین، روکنے کے لئے تعلیم یافتہ گروہ اور انڈونیسی تحریک کے لیڈرون نے عربی حروف کے بجائے رومن حروف کو انڈونیسی زبان کے رسم الخط کی حیثیت سے پسند کیا، اس نازک مسئلے کو بہت احتیاط سے حل کیا گیا، اور بغیر کسی مخالفت کے آہستہ آہستہ رومن رسم الخط انڈونیسی زبان کا رسم الخط بن گیا، انڈونیسی زبان کے لئے رومن حروف اختیار کرنے کی یہ مصلحت بھی تھی، کہ وہ عربی حروف اور صوبجاتی زبانون کے حروف کی بہ نسبت انڈونیسی زبان کی آوازون اور لہجون کو زیادہ بہتر اور زیادہ مکمل طور پر ظاہر کرتا ہے، اور رومن حروف کا سیکھنا بھی زیادہ آسان ہے انڈونیسی زبان خود بھی سادہ اور آسان زبان ہے، اس رسم الخط کی بدولت انڈونیسی زبان کی مقبولیت اور بڑھ گئی ہے، وہ بہت جلد سارے انڈونیشیا کی بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے پھیل گئی،

ادب انڈونیشیا پر قدرت کی نوازشین بے شمار ہین، آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے، کثرتِ بارش کی وجہ سے سارا ملک گھنے جنگلون سے بھرا پڑا ہے، انڈونیشیا کی سرزمین مین بے انتہا نشیب و فراز ہین جس مین شاندار پہاڑیان، شاداب وادیان، دلآویز ندیان، نظر فریب آبشار اور بے نظیر ساحلی پیچ و خم پائے جاتے ہین، جن سے حسن مناظر کے علاوہ آبپاشی اور نقل و حمل مین بڑی امداد ملتی ہے، اور وہ بہترین بندرگاہ کے لئے بہت موزون جگہ ہے، اس کے مناظر کے حسن و خوبی نے لوگون کی سیرت، اخلاق و عادات اور رسم و رواج پر غیر معمولی اثر ڈالا ہے، ان کی روایات، ان کی تاریخ، ان کا فلسفہ، ان کے فنون لطیفہ سب اسی فطرت کی فیاضی کے زیر سایہ پیدا ہوئے ہین، اس کے علاوہ اس کا اجتماعی ماحول، چین، ہندوستان، فارس اور عرب جیسے تمدن کے قدیم گہوارون کی مختلف تہذیبون سے متاثر ہے، اس ماحول نے کچھ نہ کچھ جزوی طریقہ پر سبھی انڈونیسی باشندون کے احساسات جذبات اور خیالات پر بھی اثر ڈالا ہے،

قدیم انڈونیسی ادب مین جمود و تعطل کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہین دیتی، اور اس کا قدیم ادبی سرمایہ زیادہ تر ایسے قصے کہانیون پر مشتمل ہے جو حیرت انگیز واقعات اور تعجب خیز حادثات سے پُر ہین، اس کو علمی معلومات، اصلاحی پروگرام اور سماجی معاملات سے کوئی تعلق نہین، اس مین یا تو محض دیو اور پریون کی کہانیان تھین، جو ہند و مذہب کی روایات مین ملتی ہین، یا الف لیلہ کے قصے اور امیر حمزہ کی داستان لیکن موجودہ ادب کا مطمح نظر تمام تر اصلاحی ہے، اس مین مذہبی، علمی، سیاسی، ادبی ہر قسم کا لٹریچر موجود ہے، جذبۂ حب الوطنی اور انقلاب کا علمبردار ہے، اس کا اسلوب نہایت آسان اور سہل ہے، نثر نگارون مین بعض اہل قلم قدیم لٹریچر سے متاثر ہین، بعض مغربی ادب کے دلدادہ ہین، کچھ ایسے بھی ہین، جن کی توجہ تمام تر صوبجاتی ادب کی جانب ہے، لیکن سب کے سب ایک ایسی راہ کی تلاش مین ہین جس کے ذریعہ وہ اپنے خیالات کے تلاطم کا اظہار موزون طریقہ سے کر سکین، نظم کا بھی یہی حال ہے، غیر مانوس ترکیبون، پیچیدہ اور دقیق استعارون، مبہم اور دور از قیاس تشبیہون، انتواد بے محل موضوعون کو جو خاص پرانی شاعری کی خصوصیات ہین، چھوڑ کر ادب مین جدت پیدا ہو رہی ہے، اس وقت کا ادب انقلابی خیالات، حب الوطنی کے جذبات، قوم کی زبون حالی کی دلسوز فریاد، اور شاندار مستقبل کے ولولہ انگیز پیامات سے لبریز ہے، نظم، غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، ہر صنف مین تجدید و اصلاح نظر آتی ہے، اور سائنٹ کا مذاق بڑھ رہا ہے، یہ تمام اصلاحات جدید اثرات کا نتیجہ ہین، انڈونیشیا کے جدید شعراء تعلیم و تربیت، اعتقاد و مذہب، رنگ و نسل، وضع و قطع، مشاغل و مصروفیت اور طرز زندگی وغیرہ کے اختلافات کے باوجود صرف ایک انقلابی نظریہ رکھتے ہین، روزانہ اخبارات، ماہانہ رسالے، ہفتہ وار اور سہ روزہ اخبارات کافی تعداد مین نکلتے ہین، اور مختلف النوع

کتابون کی اشاعت دن دونی رات چوگنی ہو رہی ہے، اگرچہ دوسری ترقی یافتہ زبانون کے مقابلہ مین ابھی اس کی رفتار سست ہے، تاہم پہلے سے بہت زیادہ ہے، مختلف علوم و فنون کو بھی انڈونیسی زبان مین منتقل کرنے کی کوشش جاری ہے، اور وہ دن دور نہین جب وہ علمی حیثیت سے ایک ممتاز درجہ حاصل کر لے گی،

تعلیم ہندوؤن کے دورِ حکومت مین سنسکرت زبان کی اشاعت و ترقی سے اندازہ ہوتا ہے، کہ یہان قدیم زمانہ مین تعلیم کا اچھا خاصہ چرچا تھا، پھر مسلمانون کے عہدِ زرین مین تعلیم مین مزید ترقی و اصلاح ہوئی، خصوصاً مذہبی تعلیم نے بڑی تیزی کے ساتھ رواج پایا، مسجدین حلقۂ درس بن گئین، جگہ جگہ مدرسے قائم ہوئے، عربی زبان کا شوق صرف عام پبلک ہی تک محدود نہ تھا بلکہ بعض مسلمان فرمانروا بھی اس سے بڑی حد تک متاثر تھے، ابن بطوطہ سلطان سمدرا کے متعلق لکھتا ہے، کہ عربی زبان سے اوس کے شغف اور نظم و نثر مین شوق کا یہ حال تھا، کہ جب کبھی اس کے پاس کوئی عالم ادیب یا شاعر نہ ہوتا تو مکہ و مدینہ کے اکابر علماء سے استفادہ کے لئے حجاز چلا جاتا، انڈونیشیا مین عربی زبان سے دلچسپی کا آج بھی یہی حال ہے، وہان کے طالب علم اپنے وطن اور اعزہ و اقربا کو چھوڑ کر سمندر پار محض عربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے چلے جاتے ہین، دنیا کے تمام اسلامی مدارس خصوصیت کے ساتھ مصر و حجاز اور ہندوستان کے مدرسون مین ان کی خاصی تعداد ہے،

اسلامی عہد کے آخری دور مین مغرب کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلہ مین اسلامی سلاطین کی جنگی مشغولیت کی وجہ سے ملکی فلاح و بہبود کو بڑا نقصان پہنچا، اس سے تعلیم بھی متاثر ہوئی، اور مغربی اقوام کے برسرِ اقتدار ہونے کے بعد ۱۹۲۹ تک اس کی تلافی نہ ہو سکی، سنہ ۱۹۳۰ء مین جا کر پھر تعلیم کا نظام قائم ہو سکا، لیکن وہ ابھی ابتدائی منزل مین ہے، پرائمری اور مڈل اسکولون کے ساتھ چند ہائی اسکول بھی ہین، اور Batavia اور Surabaya مین ٹکنیکل کالج قائم ہوئے ہین، سنہ ۱۹۴۰ء مین بٹاویا مین یونیورسٹی کی بنیاد پڑی، اس کے علاوہ تجارتی کالج، زراعتی کالج اور میڈیکل کالج بھی کھولے گئے، اس وقت گورنمنٹ کی توجہ سب سے زیادہ حفظان صحت کی جانب ہے، تاکہ انڈونیشیا سے بیماریون خاص کر متعدی امراض کا انسداد ہو جائے، ملک مین نئے طریقۂ تعلیم کا اجراء پہلے پہل پبلک کے ہیجان اور بے اطمینانی کا باعث ہوا، اور وہ اسکو شکوک نگاہون سے دیکھتی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی تعلیم کو خاطر خواہ فروغ حاصل نہ ہو سکا، اور اس سے ملک کو بڑی حد تک نقصان پہنچا، گو وہ چار پڑھے لکھے لوگ پیدا ہو گئے، لیکن ان کی حیثیت سرکاری دفاتر کے پرزے سے زیادہ نہ تھی، تاہم اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ لوگون مین نئی تعلیم کا شوق پیدا ہو گیا، نئے دور کا آغاز اسی نقطہ سے شروع ہوتا ہے، پھر قومی تحریک کے فروغ نے لوگون کو جدید تعلیم کی طرف زیادہ متوجہ کیا، اور وہ ادارے جو کچھ دنون پہلے شکوک و شبہات کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، ان کی کمی شدت کے ساتھ محسوس کی جانے لگی غیر سرکاری اور پبلک ادارون کا قیام اسی احساس کا نتیجہ تھا، غیر سرکاری ادارے اپنے مقصد مین نصاب تعلیم کے لحاظ سے تین طبقون مین تقسیم کئے جا سکتے ہین، ایک خالص مذہبی، دوسرا خالص عصری، تیسرا دونون مین مشترک،

مذہبی ادارے انڈونیشیا کی آبادی مین تقریباً ۹۰ فی صدی مسلمان ہین، اس لئے وہان اسلام کی اہمیت مسلم ہے، اسلام ہی نے اہل انڈونیشیا کی ذہنیتون مین انقلاب پیدا کیا تھا، اسی نے ان کی اصلاح کی، اور اس کا اثر اہل انڈونیشیا کی زندگی کے تمام شعبون پر پڑا، اس کا یہ نتیجہ ہے، کہ ان مین تعلیم خصوصیت کے ساتھ مذہبی تعلیم جس تیزی سے پھیل گئی اسکی

مثال ملنی مشکل ہے، یہ اسلامی روح ہی کا اثر ہے، کہ اندونیشیا مین نہضۃ العلماء (جاوا) تربیۃ الاسلامیہ وطوالب (مغربی سماٹرا) اور جمعیۃ وصلیہ (مشرقی سماٹرا) جیسے بڑے مذہبی ادارے موجود ہین، اور ان کی شاخین ملک کے مختلف گوشون مین پھیلی ہین، مدارس نصابیہ کے مقابلہ مین مدارس نظامیہ کی تعداد کم ہے، جن مین صرف اسلامی اور ثانوی درجون تک تعلیم ہوتی ہے، اس مین مذہبی لٹریچر اور اسلامی تاریخ کو خاص اہمیت دیجاتی ہے، ذریعہ تعلیم اندونیسی زبان ہے،

عصری ادارے | عصری ادارون کے روح رواں وطن پرست ہین، ان کا نظریہ قومیت ہے، ان کا مشہور ادارہ تامن سیسوا (Taman Siswa) ہے، جس کا نام اندونیشیا مین بڑی عقیدت کے ساتھ لیا جاتا ہے، اس کا نصاب تعلیم کم وبیش سرکاری کالجون اور اسکولون کے مساوی ہے، قومیت کے اثر سے ڈچ زبان کے بجائے اندونیسی زبان اس کا ذریعہ تعلیم ہے، سارے اندونیشیا مین اس کی شاخین پھیلی ہوئی ہین،

مذہبی وعصری ادارے | ان ادارون مین جمعیت محمدیہ Balai Pend; اور Pergoe roean Rajat (Madrasa Rajat) اپنی جامعیت کے لحاظ سے ممتاز ہین، موخر الذکر دونون ادارون کا اثر زیادہ تر جاوا مین اور کم تر دوسری جگہون پر ہے، لیکن جمعیۃ محمدیہ کا اثر سارے اندونیشیا مین ہے، اس جمعیت کے مقاصد یون تو بہت وسیع ہین، لیکن ان مین دو بنیادی اہم ہین، ایک اسلاف کے اعمال صالحہ اور اسوۂ حسنہ کی تجدید واحیاء اور دوسرے عادات کے مطابق لوگون کی تربیت، دوسرے زمانہ کی ترقیون اور ایجادات وانکشافات سے مکمل واقفیت" اس سے متعلق پانچ شعبے ہین، ان مین ایک شعبہ تعلیم کا ہے، اس کے ماتحت دو قسم کے مدارس ہین،

(الف) ایک وہ جن مین دن کے وقت تعلیم ہوتی ہے، ان مدارس کی تعداد تقریباً سات سو ہے، ان مین ابتدائی تعلیم سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک کا بہترین انتظام ہے، ان درسگاہون مین دینی وعصری دونون قسم کی تعلیم ہوتی ہے، عصری تعلیم انگریزی یا ڈچ زبان مین دیجاتی ہے، اور دینی تعلیم عربی اور اندونیسی زبان مین،

(ب) دوسرے مدارس شبینہ جن مین رات کے وقت تعلیم دی جاتی ہے، ان کی تعداد بھی کئی سو ہے،

اس جمعیت کا ایک شعبہ اصلاح نسوان بھی ہے، اس کے ماتحت عورتون کی اصلاح کے لئے ایک انجمن قائم ہے، اس کا نام جمعیت عائشہ ہے، اس جمعیت کے ذریعہ عورتون کو ان کی ضروریات کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے، اس مین کمسن اور نوجوان عورتون کے علاوہ بوڑھی عورتون کی تعلیم کا بھی انتظام ہے،

ان خاص خاص ادارون کے علاوہ اور بھی بہت سے پبلک اور پرائیوٹ مدارس ہین، جن کی بدولت اندونیشیا مین ۸ فی صدی تعلیم یافتہ ہین،

خاتمہ | اندونیشیا کی قیمتی پیداوارون اور اس کی خام اشیاء نے اس کی جانب صنعتی ممالک کی ہوس کو بہت بڑھا دیا ہے، جاپان مشرق کا جدید ترقی یافتہ صنعتی ملک ہے، اس کو نہ صرف اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے توطن کے لئے زمین کی ضرورت تھی، بلکہ خام پیداوار کے حصول اور اپنی مصنوعات کی کھپت کے لئے بازار کا مسئلہ بھی اس کے لئے اہم تھا، مشرق بعید کے وسیع علاقے جاپان کی ان ضروریات کی تکمیل کر سکتے تھے، لیکن جاپان کی بیداری سے بہت پہلے یہان مغربی اقوام کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، اور اس کے لئے ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع باقی نہ رہا تھا، اس لئے اس نے ان ممالک سے بزور مغربی اقوام کے اثر کو زائل کرنے کی پالیسی اختیار کی، چنانچہ منچوکو اور چین کے دوسرے زرخیز علاقون پر قابض ہونے کے بعد

اس کی توجہ جزائر بحرالکاہل کی طرف مبذول ہوئی، بحرالکاہل مین جاپان کی جنگی کارروائی بڑی حد تک اسی پالیسی کا نتیجہ ہے،

۸ ردسمبر سنہ ۱۹۴۱ء مین مشرق اور مغرب کے تعلقات مین ایک نئے باب کا اضافہ ہوا، جاپانی مغرب کی تمام چالون کو سیکھ کر اس کی حقیقت سے پوری طرح آشنا ہو چکے تھے، جاپانی بم ٹھیک (Prince of wales) پر گرا، ایسا ہی برطانوی بم (Greisenau) پر پڑا، جاپانی ٹینک ملایا کے جنگلون سے گذرے جن کے بارے مین برٹش جنرل کا عقیدہ تھا کہ وہ ناقابل گذر ہین، گھونگروالے سیاہ فام پاپوا جنھون نے کبھی پیاد (wheel) کی صورت تک نہ دیکھی تھی، ان کے لئے جاپانی غوطہ خور طیارے یورپین ایجادات کا ذریعۂ تعارف ثابت ہوئے، سائنس کی نئی نئی ایجادات و اختراعات کا ادنیٰ مظاہرہ جاپانی فوج کی بدولت ملایا کے ساکی (Sakai) اور سامنگ (Samang) نے حیرت سے دیکھا، بورنیو کے وحشی ڈائک (Dayak) نے جو دنیا کی ترقیون سے بالکل بے خبر جانورون کی کھال پہنے جنگلی شکارون مین مشغول رہتے تھے، جاپانیون کی آتشبازی کا ہولناک تماشا دیکھا، مختصر یہ کہ جزائر والون نے گوری فوجون کو جاپانی سنگینون سے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا، اور چند ہفتون کے اندر اندر مغربی اقوام کی ساری کائنات لٹ گئی، قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ سمندر کی حفاظت Prince of wal اور Refulse کے سپرد تھی، سنگاپور کے خاص پھاٹک پر ۶۵۰۰۰ برٹش فوج کا پہرا تھا، آسٹریلیا اور امریکہ کے زبردست ہوائی بیڑے آسمان پر پرواز کر رہے تھے، ڈچ کا طاقتور بحری بیڑا سمندر مین سرگرم عمل تھا، ان تمام روک تھام اور سعی وکوشش کے باوجود جاپانی شہنشاہیت کا ہیبتناک اژدہا مشرق بعید کے تمام ڈچ برٹش امریکی و فرانسیسی نوآبادیات کو ایک ایک کر کے نگل گیا، اب آیندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے، اندونیشیا کے متعلق ضروری حالات ومعلومات پیش کرنے کے بعد ٹائمس (۲۰ر فروری سنہ ۱۹۴۲ء) کے اس اڈیٹوریل نوٹ پر مضمون ختم کیا جاتا ہے،

"مشرق بعید مین برطانوی اقتدار اپنی پرانی شکل مین کسی طرح واپس نہین لایا جا سکتا، دنیا کے اس حصہ کے آیندہ خاکہ مین پرانے برطانوی استحصال کے لئے کوئی جگہ نہین، بیسوین صدی کی دنیا کو برطانیہ اب بھی دیکھ سکتا ہے، برطانوی نوآبادیاتی نظام کے اندر جو روح کار فرما رہی ہے، اور اس کے ساتھ اس نظام کو چلانے کے لئے جو وسائل اختیار کئے گئے، ان کو دنیا کی تنقیدی عدالت نے کچھ بہت اچھی نظرون سے نہیں دیکھا، ان سخت نکتہ چینیون کو دور کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہین، کہ برطانوی مدبرین اس مسئلہ پر پھر ایماندارانہ نظر ڈالین، اور دوررس اور نتیجہ خیز اصلاحات عمل مین لائین"۔

جس ملک کے حالات کا ذکر اور باشندون کا تعارف پچھلے چند صفحات مین کیا گیا ہے وہی "میرا ملک اور میری قوم" ہے،

چینی مسلمان

ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانون کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان مین لکھے ہین،

ضخامت ۲۴۲ صفحے: قیمت عہ

مینیجر

استدراک بر ترجمۂ ابن خلکان

از

جناب مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی ریسرچ اسکالر گجرات ورنیکلر سوسائٹی

فروری ۱۹۳۵ء کے معارف مین تاریخ ابن خلکان کے فارسی ترجمہ کے عنوان سے ہمارے مکرم دوست قاضی احمد میان صاحب اختر جونا گڈھی کا جو مضمون شائع ہوا ہے، اس کے متعلق کچھ باتین میرے علم مین بھی ہین، افادۂ عام کے خیال سے اس کو مندرجۂ ذیل سطرون مین تحریر کرتا ہون،

اس کتاب کا فارسی ترجمہ جو ہندوستان مین ہوا، اس کے چار نسخون کا ذکر کیا گیا ہے، دو برٹش میوزیم لندن مین ایک محکمہ دیوانی حیدرآباد اور ایک پروفیسر شیرانی کے پاس ہے، ۱۹۳۰ء مین جب کہ مین لکھنؤ مین مقیم تھا، اور شبلی اکیڈمی کی طرف سے تاریخ ہند کے لئے مواد حاصل کرنے کی غرض سے شمالی ہند کے کتب خانون کا دورہ کر رہا تھا، تو مجھے معلوم ہوا کہ راجہ صاحب سلیم پور کے پاس بھی قابلِ قدر کتب خانہ ہے،

راقم جناب راجہ صاحب بالقابہ کا بیحد مشکور ہے، کہ انھون نے اپنے کتب خانہ سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمایا اس کتب خانہ مین ابن خلکان کے فارسی ترجمہ کا ایک نسخہ نامکمل نظر سے گذرا، یہ کتاب وہان کی فہرست مین فن تاریخ کے نمبر ۰ اپر ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:-

"آرایش دیباچہ مناقب و مآثر سلاطین رفیع مقدار و نمایش روزنامچہ خصائص و مفاخر خواتین گردون اقتدار ...... الخ"

خط نستعلیق زبان فارسی، خوشخط، ۱½ بالشت طویل، اور ایک بالشت عریض کل صفحات (۷۰۹) ہین، اس کا آخری حصہ مفقود ہے، یعنی آخر سے ناقص ہے،

اس کا اختتام "سلطان صلاح الدین یوسف کے خرابی عسقلان بوقت جنگ صلیبی" پر ہوتا ہے، ظفر الوالہ مین اس کا نام منظر الانسان لکھا ہے[1] لیکن کتاب مذکور مین اس کا نام منظر الاعیان لکھا ہوا پایا، چونکہ ظفر الوالہ مین طباعت کی متعدد غلطیان موجود ہین، مثلاً کئی مقامون پر افغان کو اوغان لکھا ہے[2] اسی طرح کہین ارابہ اور کسی جگہ عرابہ تحریر کیا ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ ظفر الوالہ مین جو منظر الانسان لکھا ہے وہ بھی طباعت کی غلطی ہے، در اصل اس کا نام منظر الاعیان ہی ہوگا،

ظفر الوالہ مین مصنف کا نام یوسف بن احمد بن محمد بن عثمان دیا ہے[3] لیکن سلیم پور کے مخطوطہ مین یوسف بن احمد بن عثمان ہے یعنی عثمان اور احمد کے درمیان محمد کا نام نہین ہے، حضرت عثمان شمع برہانی کی وفات ۸۶۳ھ مین ہوئی ہے، اور (۲۶) برس بعد اس کتاب کا ترجمہ ہوا، اس وقت مترجم کی عمر تقریباً تیس چالیس ہونی چاہئے، ان کے ایک اور پوتے تھے جن کا نام سید عالم تھا، اور ان کی شادی شیخ داؤد نبیرۂ حضرت رکن الدین شکر گنج کی لڑکی سے اس وقت

[1] ظفر الوالہ ص ۳۲ [2] کتاب مذکور ص ۲۳۰ [3] ظفر الوالہ ص ۳۲،

ہوئی تھی، جب کہ عثمان پورہ شہر سے باہر ابھی آباد نہین ہوا تھا[1]،

محمود اعظم گجرات کا بہترین بادشاہ گذرا ہے، جس طرح دوارکا فتح کرنے کے بعد اس کی یادگار مین شفائے محمود شاہی کے نام سے واگبھٹ کا ترجمہ کرایا، اسی طرح چاپانیر کی فتح کے بعد اس نے ابن خلکان کی تاریخ کا ترجمہ کرنے کا حکم صادر کیا،

ابن خلکان کی نسبت یہ لطیفہ سننے کے قابل ہے، کہ خلکان خاندان برامکہ مین سے تھا، وہ بات بات پر فخریہ کہتا، کہ میرے بزرگ برامکہ مین ایسے تھے، اور ویسے تھے، جب لوگ سنتے سنتے عاجز آگئے، تو انھون نے کہنا شروع کیا کہ "خلِ ماکان" (جو ہو گیا اس کو جانے دو) رفتہ رفتہ لوگ اس کو خلِ ماکان کہنے لگے، جو کثرت استعمال سے خلکان ہو گیا[2]،

مترجم نے دیباچہ مین لکھا ہے، کہ فتح چاپانیر کی تاریخ ۸۸۹ھ ہے، اور اسی سال ترجمہ کا حکم ہوا، لیکن اس کی ابتدا ۸۹۳ھ مین کی گئی، افسوس ہے کہ ڈاکٹر ریو نے یہ نہین بتایا، کہ شاہی حکم کا اجرا پانچ برس تک کیون ملتوی رہا، شخصی حکومتون مین شاہی احکام کا التوا بغیر کسی مخصوص وجہ کے نہین ہو سکتا، اصل حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانہ مین یہ کتاب بہت نایاب تھی، اتنی مدت اس کے متعدد نسخون کو تلاش کرنے مین صرف ہوئی ہوگی،

مولانا یوسف صاحب عثمان پورہ کے اس مدرسہ کے معلم تھے، جو شمع برہانی کے وقت مین قائم ہوا تھا، ان کی ساری عمر تعلیم و تعلم مین گذری، کسی کتاب کے ترجمہ کا تجربہ ان کو نہ تھا، اسی لئے پہلا ترجمہ ۸۹۴ھ مین کیا، اس مین اکثر جگہ متن کا خلاصہ اور اختصار کر ڈالا، عربی اشعار یا تو حذف یا بغیر ترجمہ کے نقل کر دیئے، غالباً اسی وقت اس کی متعدد نقلین بھی ہوئین، چنانچہ بعض کتب خانون مین اسکی نقل موجود ہے، اس مین بہت ہی مختصر دیباچہ ہے جس مین حمد، ثنا، نام بادشاہ، اور تاریخ فتح چاپانیر کے سوا کچھ نہین ہے،

پھر جب ۸۹۵ھ مین اس پر نظر ثانی کی تو اپنا دیباچہ علٰحدہ لکھا جس مین دستور کے مطابق بادشاہ کی مدح لکھی، اور عربی اشعار کا ترجمہ بھی کر دیا، لیکن مصنف کے دیباچہ کو حذف کر دیا، ترجمہ کے پہلے نسخہ کی نقل راجہ صاحب سلیم پور کے کتب خانہ مین اور دوسرے نسخہ کی نقل برٹش میوزیم مین ہے،

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی اردو لاہور ص ۲۴ [2] النور السافر عن اخبار القرن العاشر بغداد

اردو کی دو قدیم کتابین

از

جناب ڈاکٹر سید نور الحسن ہاشمی، لکچرار اردو، لکھنؤ یونیورسٹی

"دیوان منعم اور مثنوی واقعات امامیہ کے زمانہ تصنیف کے بارہ مین جو موافق اور مخالف مضامین معارف مین شائع ہوئے تھے، اس سلسلہ مین جناب سید نور الحسن صاحب ہاشمی کی یہ ذاتی اور فیصلہ کن تحقیق موصول ہوئی ہے، اس لئے اس کی اشاعت کے بعد آیندہ اس سلسلہ مین اور کوئی مضمون شائع نہ کیا جائے گا" "م"

رسالۂ معارف شمارہ جنوری ۴۵ء مین دیوان منعم اور مثنوی واقعات امامیہ کے متعلق پھر محمد خلیل صاحب بی ایس سی علیگ کا مضمون نکلا ہے، چونکہ مین انجمن ترقی اردو کی طرف سے پچھلے سال ان کتابون کے جانچنے پر مامور کیا گیا تھا، اس لئے میرا فرض ہے کہ اپنے خیالات کا اظہار ان کتابون کے متعلق کر دون،

پچھلے سال جناب ولی محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ تجارہ عرس حضرت نظام الدینؒ اولیا مین شرکت کی غرض سے تشریف لانے والے تھے، تو قبلہ مولوی عبدالحق صاحب نے انھین لکھ دیا تھا، کہ اگر آپ اپنے ہمراہ یہ دونون کتابین لیتے آئین تو یہان دیکھنے پر واضح ہو سکے گا، کہ یہ کس عہد کی کتابین ہین، چونکہ مولوی صاحب قبلہ اُس زمانہ مین دہلی سے باہر جانے والے تھے، اس لئے یہ کام میرے سپرد کر گئے تھے،

مین نے مسجد قاضی حوض دہلی مین سجادہ نشین صاحب موصوف سے ملاقات کی، وہ صرف دیوان منعم اپنے ہمراہ لائے تھے، اور وہ بھی اول و آخر سے ناقص، اور بیچ کے اوراق بھی جگہ جگہ سے غائب تھے، مثنوی واقعات امامیہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کے برادر کلان اُسے دہرہ دون اپنے ہمراہ لے گئے ہین، بعد کو دکھائی جا سکے گی،

دیوان منعم کو ایک نظر ہی دیکھنے سے معلوم ہو گیا، کہ یہ وسط بارھوین صدی سے پیشتر کا کلام نہین ہو سکتا، ولی کی غزلون پر کئی غزلین اس مین موجود ہین، یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ولی کے دیوان کے پہنچنے پر دلی مین، حاتم، آبرو، مضمون، احسن، فائز وغیرہ نے اردو مین شاعری اور دیوان سازی شروع کر دی تھی، اور شعر و شاعری کی دنیا مین ایک ہلچل مچ گئی تھی، منعم نے بھی اپنا دیوان دوسرے شاعرون کی طرح ترتیب دینا شروع کیا، یہ صحیح ہے کہ اس عہد کے شاعرون مین سے جس کا کلام یا مکمل دیوان دستیاب ہو جائے تو وہ اردو ادب و شعر مین ایک اچھا اضافہ کریگا، لیکن منعم کے دیوان کو دسوین صدی ہجری کا کلام بتانا سرتاسر غلط اور بے سر و پا بات ہے،

حالانکہ مثنوی واقعات امامیہ سجادہ نشین صاحب موصوف اپنے ہمراہ نہین لائے تھے، لیکن اس کی قدامت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے، محمد خلیل صاحب نے اپنے مضامین مین غلام رسول صاحب مصنف مثنوی مذکور کو منعم کا چچا تبلایا ہے، ظاہر ہے کہ اگر چچا بھتیجے کی عمر مین چالیس پچاس یا زیادہ سے زیادہ ساٹھ سال کا فرق بھی فرض کر لیا جائے تو بھی غلام رسول صاحب کسی طرح ہمایون کے زمانہ تک نہین پہنچتے، اس کے علاوہ اُن اشعار سے بھی جو مثنوی کے نمونہ پیش کئے گئے ہین، یہ مثنوی

فرخ سیر یا زیادہ سے زیادہ اواخر عہد عالمگیری سے پیشتر کی نہین معلوم ہوتی، خود محمد شاہ کے زمانہ تک اس قسم کے ریختون کا رواج رہا، اور جس کے نمونے بھی کافی ملتے ہین، جس مین افعال اور حروف روابط فارسی کے ہوتے ہین، خود میر نے بھی اس قسم کے ریختہ کا ذکر اپنے زمانہ کے اقسام ریختہ مین کیا ہے اور اس قسم ریختہ کو قبیح گردانا ہے،

مین نے اپنے یہ سب خیالات سجادہ نشین صاحب موصوف سے عرض کر دئیے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ باوجود اس کے کہ یہ چیزین خارجی اور داخلی شواہد کی بنا پر اتنی قدیم ثابت نہین ہوتین، جتنا کہ خیال تھا، پھر بھی اپنے عہد کا اچھا نمونہ ہین، بہتر ہوگا کہ آپ یا تو ان کی نقلین انجمن کو بھجوا دین، نقل کی اجرت انجمن کے ذمہ ہوگی، یا انجمن کے ہاتھ یہ نسخے فروخت کر ڈالین، کیونکہ وہان یہ چیزین زیادہ محفوظ رہ سکین گی، سجادہ نشین صاحب موصوف نے وعدہ بھی فرمایا تھا کہ وہ اپنے برادر بزرگ سے مشورہ کے بعد اپنے فیصلہ سے مطلع کرین گے، لیکن بعد کو باوجود یاد دہانیون کے سجادہ صاحب نے کوئی جواب عنایت نہین فرمایا، نہ خود ان چیزون کو شائع کرایا، نہ اس کے مزید نمونے کسی رسالہ مین شائع کئے،

مین اس کے بعد خاموش ہو گیا، کہ نصیر الدین صاحب ہاشمی کے مضمون اور راقم کی گفتگو کے بعد غالباً سجادہ نشین صاحب اس کی قدامت کے متعلق مزید کاوش نہ کرین گے، لیکن معارف شمارہ جنوری ۴۵ء مین پھر اس کوشش کو دیکھ کر یہ مضمون سپرد قلم کرنا پڑا،

بہرحال اب رسالۂ ہذا کے ذریعہ پھر سجادہ نشین صاحب موصوف سے گذارش ہے کہ ان دونون کتابون کی قدامت کو خواہ مخواہ قدیم ترین مشہور کرانے کی کوشش نہ کیجائے، اگر ان کے پاس خارجی و داخلی ثبوت واقعی اس کے ہون تو بہتر ہوگا کہ وہ ان دونون کتابون کو ارباب بصیرت کے سامنے پیش کرین، تاکہ عینی مشاہدہ کے بعد کھوٹے کھرے کی تمیز یقینی طور پر ہو سکے، مولوی عبدالحق صاحب قبلہ کے خط نمبر ۵۳۴۹ کا حوالہ قدامت کے ثبوت مین دینا بالکل غلط طریقہ ہے، مولوی صاحب کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر مثنوی مذکور ہمایون کے عہد کی ہوئی تو واقعی قابل قدر ہوگی، اور چونکہ وہ نہین ہے اس لئے مولوی صاحب بھی اس کے قائل نہین ہو سکتے،

محمد خلیل صاحب نے یقین دلانے کی کوشش کی ہے، کہ مثنوی مذکور پر سنہ کتابت اور دیباچہ مین ہمایون کی تعریف وغیرہ درج ہے، لیکن مجھے اب بھی گمان یہی ہے کہ خلیل صاحب کو مضمون کے سیاق و سباق نیز تاریخ کتابت مثنوی مذکور کو پڑھنے اور سمجھنے مین سہو ہوا ہے، بہتر ہوگا کہ وہ بالاستیعاب مطالعہ فرمائین، اور مکرر سہ کرر، کیونکہ قرائن ایسے ہین کہ کسی صورت سے یہ مثنوی اتنی قدیم نہین ہو سکتی جتنا کہ کہا جاتا ہے، رہا دیوان منعم تو اس کے متعلق تو کوئی گفتگو کی گنجائش ہی نہیں ہے، وہ وسط بارھوین صدی سے پیشتر کی چیز ہو ہی نہین سکتی،

آخر مین پھر عرض کرونگا کہ ان چیزون کی صحیح قدر اسی وقت ہو سکے گی جب ان کی قدامت کے شواہد دوسرون کے سامنے عینی طور پر پیش کئے جائین،

ادبیات

تابشِ سہیل

از جناب مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل

قفس مین بھی میری سعی پر افشانی نہیں جاتی — یہ فطرت کی تڑپ ظالم بہ آسانی نہین جاتی
نظر اسرار تک بے نورِ ایمانی نہیں جاتی — حقیقت پہلے مانی جاتی ہے جانی نہین جاتی
بصیرت وہ ہے جو ادراک کو حدِ نظر سمجھے — حقیقت وہ حقیقت ہے جو پہچانی نہین جاتی
رگِ سودا بہت کھولی جفائے حسن نے لیکن — مزاجِ عشق کی شوریدہ سامانی نہین جاتی
شررتک بجھ چکے خاکسترِ دل کے مگر اب تک — نگاہِ شوق کی آلودہ دامانی نہین جاتی
اگر ڈوبے تو گمنامی جو بچ نکلے تو رسوائی — وہ کشتی جو قریبِ موجِ طوفانی نہین جاتی
قیامت ہے جنون کی وادیِ پُرخار مین مرنا — یہ خاکِ پاک ہر نااہل سے چھانی نہین جاتی

رہِ سعی و طلب مین سدو ڈگم ہین قافلے والے
سہیل اب تک مگر تیری حدی خوانی نہین جاتی

غزل

از جناب عزیز احمد صاحب بلال جھانسی

درد ہے، غم ہے، خلش ہے، آرزو ہے، یاد ہے، — دل کے ہر گوشہ مین اک دنیا نئی آباد ہے
موت تو ہے دل مین یا پھر اک جہان آباد ہو — قید ہے اتنا ہی انسان جس قدر آزاد ہے
بے نیازانہ چلا آیا ہون بزمِ حسن مین — شکر کرنا ہے کہ شکوہ یہ مجھے کب یاد ہے
شادمانی کے لئے ناشاد رہتا ہے جہان — اور دل ناشاد رہنے کے لئے ناشاد ہے
شرحِ غم کچھ بھی نہین، قیدِ محبت کچھ نہین — آپ فرمادین جسے برباد وہ برباد ہے
عشق گویا ظاہر و باطن پہ ہے چھایا ہوا — لب پہ تیرا نام ہے، دل مین بھی تیری یاد ہے
ڈوب کر دل سے نکلنا سحر ہے آواز کا — یہ خدا جانے کہ وہ نغمہ ہے یا فریاد ہے
جب چٹکتی ہے کلی جھکتا ہے سر دیوانہ وار — مین سمجھتا ہون کہ شاید مجھ سے کچھ ارشاد ہے

موت کیا ہے ان کی رحمت کا فرشتہ ہے بلال
زندگی کیا خون مین ڈوبا ہوا جلاد ہے

مطبوعاتِ جدیدہ

The Road to Peace and Pakistan (انگریزی)

جناب ضیاء الدین احمد صاحب سولیری، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۲ صفحے، کاغذ اوسط، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۸؍ ناشر شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

یہ کتاب یورپ کی موجودہ جنگ کے خاتمہ سے پہلے لکھی گئی، لیکن مؤلف نے کتاب کو تحریر کرتے وقت یہ خطرہ محسوس کیا تھا کہ بڑی طاقتین ایک بین الاقوامی نظام کا خواب دیکھ رہی ہین، جس کے اقتدار سے کوئی ریاست باہر نہین ہوگی، گویا ایک دوسری مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) قائم ہوگی، جس مین پھر وہی تفریق اور کمزورون پر طاقتورون کا غلبہ ہوگا، اور یہ نظام آیندہ ایک دوسری جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، لایق مؤلف کا خیال ہے کہ گو سائنس کی ترقی نے دنیا کی ہیئت بدل دی ہے اور دنیا کے مختلف ممالک پہاڑون، دریاؤن اور سمندرون کی حد بندیون سے علحدہ اور دور نہین کئے جاسکتے، لیکن ان ممالک کے باشندون کے خیالات مین اب تک اتحاد پیدا نہین ہوسکا، جس کا لازمی نتیجہ ان مین اختلاف ہے، چنانچہ آج دنیا کی فلاح وبہبود کا دعوی کرنے والے مفکرین کے سیاسی اتحاد سے پہلے انسانی خیالات کے اتحاد کا مسئلہ قابلِ غور ہے، مؤلف کی رائے ہے کہ دنیا کی بھلائی اس مین ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے ملکون کا جو اپنے خیالات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے قریب تر ہون، ایک منطقہ قائم کیا جائے، سویٹ روس کی متحدہ جمہوری ریاستین اسی کی مثال ہین، امریکہ اور برطانیہ کے اتحاد کی استواری اسی کا نتیجہ ہے، اسی اصول کے ماتحت مؤلف کا خیال ہے کہ اسلامی ریاستون کا وفاق بھی قائم ہوسکتا ہے، ان منطقیانہ دلائل سے ہندوستان مین پاکستان کی ضرورت کو ثابت کیا گیا ہے، گو پاکستان کے مخالفین کے لئے یہ دلائل ومباحث قابلِ قبول نہین کہے جاسکتے، مگر مؤلف کا طرزِ تحریر اور اندازِ بیان جذبات پر مبنی نہین، بلکہ ہر مسئلہ کو سنجیدگی سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور یہ کتاب اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والون کے لئے لائقِ مطالعہ ہے،

Through Pakistan to Freedom (انگریزی) از جمیل الدین احمد لکچرار

شعبۂ انگریزی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۳ صفحے، کاغذ اوسط، طباعت بہتر، قیمت ۱-۸؍ ناشر شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور،

جناب جمیل الدین احمد صاحب لکچرار شعبۂ انگریزی مسلم یونیورسٹی کو ہندوستانی مسلمانون کے سیاسی مسائل سے گہری دلچسپی ہے، اس سے پہلے وہ ہندوستان کی آئینی گتھی، اور محمد علی جناح کی تازہ تحریرین اور تقریرین مرتب کرکے پیش کرچکے ہین، اس لئے ہندوستانی مسلمانون کی سیاست پر ان کی رائے قابلِ غور ہے، زیرِ نظر کتاب مین مؤلف نے مسلمانون کی سیاسی بیداری کے اسباب وعلل کی تاریخ پر ہر زاویہ نظر سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، اور پاکستان کے مخالفین کے اعتراضات سے بھی بحث کی ہے، اندازِ بیان متین وسنجیدہ ہے، گو پاکستان کی حمایت مین کہین کہین استدلال کی بنیاد کمزور ہے، مثلاً کسی انگریز کا خواہ کیسا ہی ذمہ دار عہدہ دار یا سیاسی مفکر کیون نہ ہو یہ کہدینا کہ مسلمان ایک علحدہ انفرادیت کے مالک ہین

کچھ زیادہ اہمیت نہین رکھتا، مسلمان خود ایک مستقل مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی نظام رکھتے ہین، اس لحاظ سے وہ ایک علیحدہ قوم ہو سکتے ہین، تو اسی اصول پر اس بحث کی بنیاد ہونی چاہئے، ورنہ ایک انگریز کی موافق رائے کو دوسرے انگریز کی مخالف رائے سے معترضین آسانی سے رد کر سکتے ہین،

The Arab Civilization از جوزف ہیل، مترجمہ صلاح الدین خدابخش تقطیع بڑی ضخامت ۱۴۰ صفحے، کاغذ اوسط طباعت بہتر، قیمت ے رنا شر شیخ محمد اشرف، کشمیری بازار لاہور،

یہ کتاب جرمنی کے مشہور مستشرق ڈاکٹر جوزف ہیل کی تصنیف ہے، جس کو صلاح الدین خدابخش مرحوم نے جرمن زبان سے انگریزی مین ترجمہ کیا تھا، بعض یونیورسٹیون مین یہ تاریخ اسلام کے نصاب مین داخل ہے، اس لئے شیخ محمد اشرف لاہور نے اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی جامعہ ملیہ دہلی سے ۲۹ء مین شائع ہو چکا ہے، مگر اس کتاب مین جرمن مصنف نے اپنے مستشرقانہ تبصرہ مین کچھ ایسے قیاسات و نتائج استنباط کئے ہین جن کا مقصد نیشن پیرایہ مین مسلمانون کے مذہب، تاریخ اور تمدن کے خلاف محض زہر چکانی ہے، فاضل مترجم جناب صلاح الدین خدابخش نے جابجا زیدی حواشی ضرور لکھ دیئے ہین، مگر وہ بالکل ناکافی ہین، اسی لئے ہندوستان کے مسلمانون مین جب انگریزی اور اردو کے ذریعہ سے اس کتاب کو روشناس کرنے کی کوشش کی گئی تو اس پر سخت تنقیدین ہوئین، چنانچہ معارف (مئی ۳۹ء) مین بھی اس پر ایک بہت ہی طویل تبصرہ شائع ہو چکا ہے، جس کا اعادہ کرنا تحصیل حاصل ہے، لیکن جن یونیورسٹیون مین یہ کتاب نصاب مین پڑھائی جاتی ہے، وہان کے اساتذہ خصوصاً مسلمان اساتذہ سے یہ گذارش ضرور ہے، کہ اگر اسلام کی تاریخ کے سلسلہ مین اس کتاب کو اہمیت دی گئی تو یہ اسلام سے سراسر نادان دوستی ہوگی،

A Shi'ite Creed (انگریزی) مترجمہ جناب اے۔ اے۔ اے فیضی، ضخامت ۱۴۴ صفحے، کاغذ و طباعت بہتر، قیمت ندارد، ناشر اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی،

یہ رسالہ شیعون کے مشہور مجتہد عالم ابوجعفر محمد بن علی ابن بابویہ القمی المعروف بہ شیخ صادوق کی کتاب رسالۃ الاعتقادات الامامیہ کا انگریزی ترجمہ ہے، مصنف اثنا عشری شیعون کے بڑے مستند عالم سمجھے جاتے ہین، اور ان کی یہ تصنیف شیعی عقائد کی تشریح و توضیح مین بڑی قدیم کتاب سمجھی جاتی ہے، مترجم نے کئی نسخون کی مدد سے انگریزی ترجمہ کیا ہے، شروع مین مصنف کے حالات اور ان کی تصانیف پر مفید معلومات ہین اور انگریزی متن کے ساتھ ذیلی حواشی بھی ہین،

پارلیمانی طرز حکومت از جناب منظور احسن صاحب ہاشمی بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۲؍ پتہ دار الاشاعت سیاسیہ مجلس اتحاد المسلمین اشاعت منزل اردو گلی حیدر آباد دکن،

موجودہ ضروریات کے پیش نظر حیدر آباد کے ادارہ دار الاشاعت سیاسیہ نے سیاسیات پر چھوٹے چھوٹے مفید رسالون کا سلسلہ شروع کیا ہے، مذکورۂ بالا کتاب پارلیمانی طرز حکومت پر ہے، اس مین اس طرز حکومت کا اجمالی خاکہ بیان کرکے برطانیہ، فرانس، سوئٹزرلینڈ اور آسٹریلیا کی جمہوریتون کے نظام اور اس کے اجزا پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس سے پارلیمانی حکومتون کے دستوری نظام کا اندازہ ہو جاتا ہے، برطانوی نظام کے حالات کسی قدر تفصیلی ہین، آخر مین چند سیاسی اصطلاحات کی تشریح ہے جو اس کتاب مین استعمال کی گئی ہین کتاب گو مختصر ہے لیکن مفید ہے،

"ع - ا"

کی قدیم تاریخی کتابون مین مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانون کے تعلیمی حالات اور ان کے مدرسون اور تعلیم گاہون کا حال معلوم کرنا چاہین تو نہین مل سکتا مولوی ابو الحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہون پر ایک مقالہ لکھا تھا، جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت مین نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے،

ضخامت ۱۳۴ صفحے، قیمت: ۱۲؍

مختصر تاریخ ہند، ہمارے اسکولون مین جو تاریخین پڑھائی جاتی ہین، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہین ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قومون مین تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، اور ہندو اور مسلمان فرمان روأون نے ہندوستان کے بنانے مین جو کام کئے ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائین،

ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ؍

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسون مین جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریون کے لئے خریدے ہین،

تاریخ اسلام، حصہ اول، (از آغاز اسلام تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ) اس کتاب مین عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی،

حجم ۳۸۴ صفحے، قیمت: ے؍

تاریخ اسلام، حصہ دوم، (بنی اُمیہ) اُردو مین اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہین تھی، جس مین تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر اسلامی حکومتون کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہو، اس لئے دار المصنفین نے تاریخ اسلام کا پورا سلسلہ مرتب کرایا ہے، اس حصہ مین اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہی، ضخامت ۴۳۷ صفحے، قیمت: ے؍

تاریخ اسلام، حصہ سوم (خلافت عباسیہ) یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے ابو اسحٰق متقی للّٰہ ۳۳۳ھ تک (۷۵۰ء–۹۴۴ء) دو صدیوں کی سیاسی تاریخ، ضخامت: ۴۴۷ صفحے، قیمت: للعہ؍ مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی،

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین) یہ مسلمانون کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہی، پہلے حصہ مین عثمان اول سے مصطفےٰ رابع تک پانچ صدیون کے مفصل حالات ہین، اُردو مین ابتک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط اور مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۴۹۰، قیمت: سے؍

دولت عثمانیہ حصہ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اسکے نظامی اور تمدنی کارنامون کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) تا جنگ عظیم ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ء)، قیمت: صہ؍ حجم ۴۰۸ صفحے،